ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA
JAMIA NAGAR

Rare NEW DELHI

CALL NO. 181.07 / 168C ozi
Accession No. 12764

Rare
181.07
168C ozi
محمد
المنعز

Rare **DUE DATE**

Cl. No. 181.07 168 Co.1 Acc. No. 129629

Late Fine Ordinary books 25 p. per day, Text Book Re. 1/- per day, Over night book Re. 1/- per day.

نیر الاقبال

في

ترجمہ المنقذ من الضلال

للامام الہمام ابی حامد محمدؐ غزالی رحمتہ اللہ علیہ

جس کو

مولوی سید ممتاز علی صاحب مترجم چیف کورٹ پنجاب لاہور

نے

زبان عربی سے ترجمہ کیا

مع

حواشی مفیدہ از مترجم

۱۸۹۰ء

اسلامیہ پریس لاہور میں مولوی کرم بخش مالک کے اہتمام سے چھپا

اهداء الكتاب

الى

مولاى الكريم السيد احمد بالقاسم

نظراً الى خدماته الجليلة ومساعيه الجميلة

فى حماية حمى الاسلام

فهذه البضاعة وان كانت مزجاة واهديت من غير مرضاة لكنها

شفيعة مشفعة لكونها منبئة عن خلوص النية وصدق الطوية

من خادمه المترجم

ممتاز على

[illegible]

مضمون	صفحہ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں نہیں پائی جاتی۔ اور صرف اسی تصنیف میں پائی جاتی ہے یہ ہے۔ کہ اس میں امام صاحب نے اپنے خیالات کی مسلسل تاریخ بیان کی ہے۔ اور اُن میں جو جو تبدیلیاں اور انقلاب وقتاً فوقتاً واقع ہوئے اُن کا عبرت انگیز طریق میں ذکر کیا ہے۔ غرض یہ کتاب آئینہ ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے واردات قلبی کا جس سے اُن لوگوں کو جو تحصیل علوم فلسفہ کے شائق ہیں نہایت عمدہ نصیحت حاصل ہوسکتی ہے ؎

نصیحت گوش جاناں کن کہ از جان دوست تر دارند ✦ جوانان سعادتمند پندِ پیر دانا را

میں نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کا اُردو زبان میں با محاورہ سلیس ترجمہ کروں تاکہ خاص و عام اُس سے فائدہ اُٹھا سکیں الحمد للہ کہ یہ کام اواخر ربیع الاول ۱۳۰۰ھ ہجری میں ختم ہوا ✦

امام صاحب نے اپنے زمانہ کے علماء اور ان کے طریق جدل اور لوگوں کے فتور اعتقاد وغیرہ کی نسبت بعض ایسے امور تحریر فرمائے ہیں جو اس زمانہ کے حالات سے مشابہ ہیں یا باندک تغیر اُن پر منطبق ہوسکتے ہیں۔ میں نے ایسے مقامات پر حواشی لکھے ہیں جن میں بتایا ہے کہ یہ امور اس زمانہ کے حالات پر کس طرح منطبق ہوتے ہیں ✦

امام صاحب کے حالات سے جو اس کتاب میں درج ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن کو ابتداءً علم فلسفہ سے سخت مضرت پہونچی تھی اور

اُن کی حالت نہایت خطرناک ہوگئی تھی - مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کی مشکلات آسان کردیں اور اُن کو ایسی ہدایت بخشی کہ وہ باعث ہدایت خلقت ہوئے - اور قبولیت عام نے ان کو امام حجۃ الاسلام کا لقب دیا - چونکہ امام صاحب فلسفہ کے مہلک اثر کا ذاتی تجربہ حاصل کر چکے تھے اس لئے جہاں تک اُن کے بس میں تھا اُنھوں نے مسلمانوں کو اس کی آفات سے ڈرایا اور تردید فلسفہ اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد قرار دیا - یہ جوش درجہ غلو تک پہونچ گیا تھا اور کیونکر نہ پہونچتا - جبکہ فلسفہ کے زہریلے اثر سے امام صاحب سے جید عالم کے خیالات مذہبی محفوظ نہ رہ سکے تو عوام الناس کی نسبت کیا کیا اندیشے تھے جو نہیں ہوسکتے تھے - اور ایسے شخص کے دل میں جو محبت اسلام سے سرشار ہو اور خدمت اسلام کو اعلیٰ ترین عبادت سمجھتا ہو فلسفہ کی طرف سے کیا کیا بغض و بد گمانیاں تھیں جو پیدا نہیں ہوسکتی تھیں ؟ خلفاء عباسیہ کا دور حکومت تھا - لوگوں کی طبیعتیں فلسفہ و حکمت کے ذوق و شوق سے لبریز ہو رہی تھیں اور اُس زمانہ کی مجالس علمی اور اُمراء کی صحبتوں میں بھی حکمت و فلسفہ کے چرچے رہتے تھے - غرضکہ زمانہ کا عام میلان شیوع حکمت و فلسفہ کی طرف معلوم ہوتا تھا - امام صاحب جو خود اپنے نفس پر علوم حکمیہ کے بد نتایج اور اُن کا ملحدانہ اثر محسوس کر چکے تھے - اس حالت زمانہ کو دیکھکر نہایت سراسیمہ ہوتے تھے - آخر اُنھوں نے بلا خیال اس

بات کے کہ جن عظیم الشان مہم کو وہ اُٹھے ہیں وہ ایک جریدہ شخص
کا کام نہیں ہے تردید فلسفہ کا بیڑا اُٹھایا اور صرف قرآن مجید کی
قوت پر بھروسہ کرکے تمام علمی دنیا سے جنگ کیا - امام صاحب نے
اہل اسلام کے دلوں کو فلسفہ سے بیزار کرنے کے لئے اور اُس کی
نفرت اُن کے دلوں میں بٹھانے کے لئے صرف اُن مسایل کی تردید
کافی نہیں سمجھی جو علانیہ اسلام کے برخلاف تھے - بلکہ اُنھوں نے
کوئی پہلو جس سے فلسفہ کی مخالفت واجب یا ناواجب ممکن معلوم ہوتی
تھی اختیار کئے بغیر نہ چھوڑا - چنانچہ امام صاحب کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ
کے ملاحظہ سے واضح ہوگا - کہ اُنھوں نے بعض ایسے مسائل میں بھی جو
خود اہل اسلام کے نزدیک مسلم ہیں محض اس بنا پر مخالفت کی ہے
کہ وہ مسائل گو فی نفسہ صحیح ہیں الّا دلایل فلسفیہ سے اُن کا ثبوت
ناممکن ہے - جس شے سے اس درجہ کا سخت عناد ہو تو اُسکی مذمت
میں کبھی ناواجب مبالغہ ہوجانا ایسا امر ہے جو بمقتضائے فطرت انسانی
ہر انسان کو پیش آتا ہے - چنانچہ امام صاحب بھی کہیں کہیں
اس کتاب میں فلسفہ کی مذمت میں حد مناسب سے تجاوز کر گئے
ہیں - میں نے حواشی میں ایسے مقامات پر گرفت کی ہے - مگر حاشا
کہ مجھ کو امام صاحب کی تحریر پر اس قسم کی نکتہ چینی کرنے سے
اُن کی شان میں کسی طرح سے سوء ادبی کرنا یا اُن کی تحقیق کی نسبت
استخفاف کرنا یا اپنی نمود منظور ہو - میں خود اُن کی تصانیف کا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اُس کو زندیق اور معطل بننے کی جرأت ہوئی ہے۔ حقایق امور کی ادراک کا
میں ہمیشہ سے پیاسا تھا۔ ابتدائے عمر سے یہ شوق میرے دل میں کُھبا ہوا
تھا اور خدا تعالیٰ نے میری فطرت اور سرشت میں ہی یہ بات رکھ دی تھی
جسپر میرا کسی قسم کا بس اور اختیار نہ تھا۔ یہاں تک کہ لڑکپن کے زمانہ
کے قریب ہی رابطہ تقلید مجھ سے چھوٹ گیا۔ اور عقاید موروثی ٹوٹ گئے
میں نے دیکھا کہ نصارے کے بچوں کا نشو و نما دین
نصرانی پر ہی ہوتا ہے اور یہود کے بچوں کا نشو و نما

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

یہودیت پر ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے بچوں کا نشو و نما اسلام پر ہوتا ہے
میں نے وہ حدیث بھی سُنی ہوئی تھی۔ جو رسُول خدا صلعم سے بدیں مضمون
مروی ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اُسکے
والدین اُس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ پس میرے دل میں

عالم ہے نہ اندرون عالم۔ نہ اُس کے پاس سے کوئی شے آسکتی ہے۔ نہ اُس کے پاس کوئی
شے جا سکتی ہے۔ نہ اُس کا قُرب ممکن ہے نہ اُس کا دیدار۔ اس مذہب کے قائلین کو اہل
نفی و جحود یا اہل تعطیل یا فرقہ معطلہ کہتے ہیں۔

مذہب حق یہ ہے کہ نہ تو اثبات صفات میں اس قدر غلو کرنا چاہیئے کہ بُت پرستی تک
نوبت پُہنچ جاوے اور نہ تنزیہہ و تقدیس میں اس قدر تدقیقات فلسفہ نکالنی چاہیئں کہ
اللہ تعالیٰ کو عدم محض ہی تصور کیا جائے۔ مذہب سلف صالحین و ائمہ اسلام یہی تھا
یعنے اثبات بلا تشبیہ و تنزیہ بلا تعطیل + مترجم +

یہ تحریک پیدا ہوئی کہ حقیقت فطرت[له] اصلی اور حقیقت اُن عقاید کی جو

حاشیہ

له یہ سوال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا تھا نہایت دلچسپ سوال تھا اور زمانہ حال میں بھی فلاسفہ متالہین و دہریہ ہردو نے اس کے جواب دینے پر طبع آزمایاں کی ہیں - امام صاحب اس سوال پر غور کرتے کرتے ایک اور دقیق بحث میں جا پڑے - یعنے وہ نفس علم و ادراکات حواس اور اس امر پر کہ وہ کس حد تک قابل وثوق ہیں نظر کرنے لگے - افسوس ہے کہ ان کے سلسلہ خیالات کا انجام سفسطہ پر ہوا - اور وہ عالم مادی کے وجود فی الخارج میں شک کرنے لگے - امام صاحب تحریر کرتے ہیں کہ اوہام سفسطہ سے اُن کا جلد چھٹکارا ہوگیا - مگر اس رسالہ میں پھر یہ نہیں بتایا کہ اُن کے نزدیک حقیقت فطرت اصلی کیا ہے جس پر انسان مولود ہوتا ہے اور جو بعد میں بوجہ عارض ہونے عقاید تقلیدی و خیالات تلقینی کے دب جاتی ہے - خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی دین قیم کو بلفظ فطرت تعبیر کیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا - اس امر کے قرار دینے میں کہ فطرت سے اس آیت میں اور حدیث مذکورہ بالا میں کیا مراد ہے ہمارے علماء میں اختلاف ہے بعض علماء کا قول ہے کہ فطرت سے مراد وہ استعداد ہے جو خدا تعالیٰ نے ہر انسان میں امر حق کے قبول کرنے اور اُس کے ادراک کر سکنے کی ودیعت رکھی ہے بعض دیگر علماء کا یہ قول ہے کہ فطرت سے مراد دین اسلام ہے - کیونکہ اگر انسان اپنی حالت فطری پر چھوڑ دیا جاوے تو وہ حالت اُس کو دین اسلام تک پہونچا سکتی ہے - ایک دیگر گروہ علماء اسلام اس طرف گیا ہے کہ فطرت سے مراد وہ عہد ہے جو بروز میثاق خداوند تعالیٰ نے ذریت آدم سے لیا

تقلید والدین یا اُستاد سے عارض ہوتے ہیں معلوم کروں اور اُن تقلیدات

بقیہ حاشیہ

تھا امام غزالیؒ صاحب احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ فطرت سے مراد توحید و معرفت الٰہی ہے کیونکہ باعتبار جبلت صلاحیت ادراک توحید ہر ایک قلب میں موجود ہے -
شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ فطرت اللہ سے اصول بر و اثم بطور کلیات مراد ہیں نہ کہ ان کے فروع و حدود۔ اور یہی وہ دین ہے جو اختلاف ازمنہ سے بدل نہیں سکتا +

عبداللہ بن مبارک نے حدیث مذکورہ بالا کے یہ معنے کئے ہیں کہ ہر ایک بچّہ اپنی خلقت جبلی پر پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ جانتا ہے خواہ وہ سعادت ہو یا شقاوت غرض سب کا انجام کار اپنی خلقت فطری پر ہوتا ہے اور دنیا میں اُس کی خلقت کے مناسب اعمال اُن سے صادر ہوتے ہیں۔ علامت شقاوت یہ ہے کہ اُس کی ولادت یہودیوں کے گھر ہو +

اگر ان مختلف اقوال کو بہ نظر تعمق دیکھا جاوے تو اُن میں آسانی سے تطبیق کی جا سکتی ہے اور نہ صرف تطبیق ہی ہو سکتی ہے بلکہ وہ جملہ اعتراضات بھی مندفع ہو جاتے ہیں جو فخر الاسلام سید احمد خاں صاحب کے اس قول پر کئے گئے ہیں کہ الاسلام ھو الفطرۃ والفطرۃ ھو الاسلام - ہم کو صرف دو امور پر غور کرنا ہے +

(۱) آیا یہ قول کہ الاسلام ھو الفطرۃ والفطرۃ ھو الاسلام قول جدید ہے یا علماء قدیم میں سے بھی کوئی اس کا قائل ہوا ہے ؟

(۲) آیا علمأ کے باہمی اختلافات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کسی طرح رفع

میں تمیز کروں جن کی ابتلاء امور تلقینات سے ہوتی ہے اور جن کی

ہوسکتے ہیں؟

پہلا امر نہایت صاف ہے - جن علماء کی یہ رائے ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں فطرت سے مراد دین اسلام ہے جیساکہ قاضی بیضاوی نیو کی رائے ہے تو وہ ظاہرا سید صاحب کے ہمراہ اس امر میں متفق الرائے ہیں کہ الفطرۃ ہو الاسلام پس اگر بعض دیگر علماء کی رائے اس کے خلاف بھی ہو تب بھی بہر حال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ قول مذکورہ بالا کا پہلا جزو کوئی قول جدید نہیں ہے +

رہا دوسرا جزو یعنے الاسلام ہو الفطرۃ اُس کی نسبت صرف اس قدر لکھنا کافی ہوگا کہ اگر اسلام اور فطرت میں جانبین سے تصادق کلی ہے تو اس جملہ اور پہلے جملہ میں کچھ فرق نہیں ہے - لیکن اگر مفہوم فطرت بہ نسبت مفہوم اسلام عام ہے جیساکہ سید صاحب پر اعتراض کرنے والوں کا خیال ہے تو مورد اعتراض زیادہ تر پہلا جملہ ہے یعنے الفطرۃ ہو الاسلام - جب ہمارے علماء محققین نے اس قول کے اختیار کرنے میں تامل نہیں کیا تو یہ کہنا کہ الاسلام ہو الفطرۃ بطریق اولی درست ہے - فما قالہ فخر الاسلام حق و علیہ اعتقادی +

بغرض اس امر کے کہ ان مختلف اقوال میں تطبیق دی جائے منشأ اختلاف پر غور کرنا ضرور ہے - کچھ شک نہیں کہ یہ اختلاف اُس اعتراض سے بچنے کے واسطے کیا گیا ہے جو فطرۃ سے دین اسلام مراد لینے کی صورت میں وارد ہوتا ہے - معترض کہہ سکتا ہے کہ اگر انسان کے بچہ کو اپنی جبلت پر چھوڑ دیا جاوے اور اُسے کسی خاص مذہب کی تلقین نہ کی جاوے تو اُس کا کوئی مذہب نہ ہوگا اور وہ ہرگز مسائل صوم

بوجہ تمیز حق و باطل میں اختلافات ہوتے ہیں۔ پھر میں نے اپنے
وصلۃ حسب دین اسلام اپنے ذہن سے اختراع نہ کرسکیگا۔ پس یہ کہنا کب
صحیح ہے کہ انسان دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور والدین کی تلقین سے وہ دیگر
مذہب مثلاً یہودی یا مجوسی یا نصرانی اختیار کرلیتا ہے ◆

اس اعتراض کے خوف سے اور یہ یقین کرکے کہ فی الواقع بچہ دین اسلام
پر پیدا نہیں ہوتا ہمارے علماء نے طرح طرح کے مسلک اختیار کئے ہیں۔ کسی نے
کہا کہ فطرت سے مراد عہد میثاق ہے۔ کسی نے کہا کہ فطرت سے قبول حق کی
عام استعداد مراد ہے۔ کسی نے توحید کہا۔ کچھ شک نہیں کہ ہمارے علماء نے
اختلاف کرتے وقت مدلول لفظ اسلام پر کافی غور نہیں کی۔ ہم مسلمانوں کے عقیدہ
کے موافق دین اسلام وہ دین ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین تھا۔ یعنے
اسلام وہ دین ہے جو ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور خاتم النبیین
حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا دین تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر ان انبیاء علیہم
السلام کی شریعتوں پر بتفصیل نظر کی جاوے تو پہلی شریعتوں اور شرع محمدی میں
بہت تفاوت معلوم ہوگا اور پہلی شریعتوں میں بھی اختلافات ملیں گے۔ باوجود اس کے
جب ہم مسلمان سب انبیاء کے دین کو دین اسلام قرار دیتے ہیں تو بالکل ظاہر ہے
کہ اسلام سے مراد اُس قدر مشترک سے ہے جو جمیع انبیاء علیہم السلام کے ادیان میں
پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان خدائے واحد مطلق لا شریک لہٗ کی ہستی کا
اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کرے اور اُسی کو اپنا معبود حقیقی سمجھے۔ یہی اسلام
ہے جس کی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے حق تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ

دل میں کہا کہ جب سب سے اول مجھ کو حقایق امور کا علم مطلوب

لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ اسی دین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس ارشاد
خداوندی میں إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ - اسی دین کے
اختیار کرنے کی حضرت ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی تھی۔ کما
قال اللہ تعالے وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ
الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ
الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۚ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ
آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ
پس اللہ واحد پر بہ جمیع صفات ایمان لانا اصل اصول اسلام ہے اور اسی واسطے سب
انبیاء کا دین اسلام سمجھا جاتا ہے ورنہ اُن کی شریعتیں ازیس مختلف تھیں۔ مگر باوجود
اس اختلاف کے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَ
إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۔ پس بے شک اُس حدیث
شریف میں جہاں فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر مولود ہوتا ہے اور اُس آیت میں جہاں
دین کو فطرت سے تعبیر کیا ہے فطرت سے مراد خواہ عہد میثاق ہو۔ خواہ اقرار ربوبیت
خواہ توحید یہ سب اُسی اصل اصول اسلام کے اظہار کے مختلف طریق ہیں اور
کچھ شک نہیں کہ خداوند تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہونا اور اُس کو واحد مطلق یقین
کرنا انسان کے لئے ایک طبعی و فطری امر ہے۔ جن لوگوں کو آیت وحدیث مذکورہ بالا
پر شُبہ ہوا ہے اُنھوں نے اسلام سے مراد دین محمدی سمجھی ہے حالانکہ مفہوم اسلام
اُس سے اعم ہے۔ باعتبار وضع لفظ حسب استعمال قرآن مجید ہر محمدی مسلمان ہے

ہے تو ضرور ہے کہ حقیقت علم معلوم کیجائے ۔ پس مجھ کو معلوم ہوا کہ

علم یقینی کی تعریف علم یقینی وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے معلومات کا ایسا
انکشاف ہو جاوے کہ اُس کے ساتھ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے ۔ اور
غلطی اور وہم کا امکان بھی اُس کے پاس نہ پھٹکنے پاسکے ۔ اور ان امور
کے احتمال کی دل میں گنجایش ہی نہ رہے ۔ بلکہ غلطی سے محفوظ رہنے کے
ساتھ اس قسم کا یقین ہو کہ اگر کوئی شخص اُس کے ابطال کے لئے مثلاً
یہ دعوےٰ کرے کہ میں پتھر کو سونا کر دیتا ہوں یا لاٹھی کو سانپ بنا دیتا
ہوں تو اس امر سے بھی کوئی شک یا انکار پیدا نہ ہوسکے ۔ کیونکہ جب
میں نے یہ بات جان لی کہ دس زیادہ ہوتے ہیں تین سے تو اب اگر

[illegible]

اِلّا ہر مسلمان محمّدی نہیں ہوسکتا ۔ حضرت ابراہیم کی اُمّت مسلمان تھی مگر ابراہیمی
مسلمان نہ کہ محمّدی مسلمان ۔ علیٰ ہذالقیاس موسیٰ کی اُمّت موسوی مسلمان تھی ۔ اور
ہم خاتم النبیین کی اُمّت محمّدی مسلمان کہلاتے ہیں ۔ الّا چونکہ سرتاج انبیاء حبیب خدا
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تعلیم اصول اسلام کا بوجہ اتم و اکمل فرمائی اس لئے
علیٰ سبیل التغلیب یا علیٰ سبیل الاختصاص عموماً اہل مسلمان وُہی سمجھے جاتے
ہیں جو دین محمّدی کے پیرو ہیں ✦

مپندار سعدی کہ راہِ صفا ✦ تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

مگر جہاں خدا نے انسان کے فطری دین کی طرف ارشاد فرمایا ہے ۔ وہاں
یقیناً اسلام بہ معنی اعم ہے نہ بمعنی دین محمّدی جو عموماً بطور مرادف اسلام استعمال
کیا جاتا ہے ✦ (مترجم)

[illegible]

محسوسات پر جو میرا اعتماد ہے اور بدیہات میں غلطی سے محفوظ رہنے کا یقین ہے وہ اُسی قسم کا تو نہیں ہے جو قبل ازیں امور تقلیدی میں تھا - یا جیسا اکثر عوام الناس کو امور عقلی میں ہوا کرتا ہے یا یہ غلطی سے محفوظ ہونا پکّی قسم کا ہے - جس میں کوئی دھوکا اور شک و شبہ نہیں - پس میں محسوسات اور بدیہات میں سعی بلیغ کے ساتھ غور کرتا اور اس بات کو سوچا کرتا تھا کہ دیکھوں میرے دل میں ان امور کی نسبت بھی شک پیدا ہو سکتا ہے - آخر سوچتے سوچتے تشکوک

؎ علم فلسفہ کے پڑھنے والے معلوم کریں گے کہ فرانس کے مشہور فلسفی ڈے کارٹ کو جس نے مسائل ذہنیات کی تحقیق میں انقلاب عظیم پیدا کرکے فلسفہ جدید کی بنا ڈالی عالم مادی کے وجود فی الخارج کے باب میں بعینہ اسی قسم کے خیالات پیدا ہوئے تھے - اس حکیم نے بھی اپنی تحقیق کا آغاز اس طرح کیا تھا کہ جو امور بدیہات سے نہیں ہیں وہ اُن پر ہرگز یقین نہ کرے گا - چنانچہ اُس نے بھی امام صاحب کی طرح شک و شبہ کو یہاں تک دخل دیا کہ آخر اُس کو حواس خمسہ ظاہرہ و باطنیہ پر بھی وثوق نہ رہا - خیال کیا گیا ہے کہ اگر امام غزالیؒ کی تصنیفات اُس کے زمانہ تک فرانس میں پہونچی ہوتیں تو یقیناً یہی سمجھا جاتا کہ ڈے کارٹ کے فلسفہ کا ماخذ تحریرات امام غزالیؒ ہیں - مگر ڈے کارٹ امام صاحب کی طرح گھبرانے والا شخص نہ تھا وہ اپنے اصول پر نہایت استحکام و استقلال سے قائم رہا اور نہایت خوبصورتی سے اُس نے عالم مادی کا وجود ثابت کیا - ڈے کارٹ نے سوچا کہ آیا کوئی ایسی شے ہے جس کی نسبت شک و شبہ کی بالکل گنجایش نہ ہو - اُس نے ہر طرف نظر

نے اس قدر طول کھینچا کہ میرے دل کو اس بات کا بھی یقین نہ رہا کہ
محسوسات میں بھی غلطی سے بچ سکتے ہیں - میرا یہ شک در باب محسوسات
بڑھتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ محسوسات پر کس طرح اعتماد ہوسکتا ہے؟
دیکھو سب سے قوی قوت بینائی ہے مگر اُس کا بھی یہ حال ہے - کہ
وہ سایہ کی طرف دیکھتی ہے تو اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیرا ہوا
ہے ہلتا نہیں - اور نفی حرکت کا حکم دیتی ہے - لیکن ایک ساعت کے

بقیہ حاشیہ

دوڑائی مگر کوئی ایسی شے نظر نہ آئی - پھر اُس نے خیال کیا کہ اُس کا شک
در بارہ وجود عالم مادی صرف اُس صورت میں کُلیۃً راست ٹھیر سکتا ہے - جب
اُس کو کم از کم اس شک کے وجود کی نسبت کوئی شک نہ ہو - اس طرح پر اُس نے
سب سے اوّل اپنے شک کا وجود یقینی قائم کیا مگر شک ایک قسم کا
خیال ہے اور خیال کے لئے ذی خیال کا ہونا ضرور ہے اس لئے وجود شک
سے اُس کو وجود نفس ذہن کا بھی قائل ہونا پڑا - پھر بتدریج نفس ذہن سے
استدلال کرتے کرتے وجود باری تعالیٰ ثابت کیا۔
امام غزالیؒ صاحب فلسفیانہ تدقیق میں ڈے کارٹ سے کسی طرح پر کم نہ تھے
مگر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی توحید کا یقین اور خشیۃ اللہ جو اس معرفت
و یقین کا ضروری نتیجہ ہے اُن کے روح میں اس طرح راسخ ہوا تھا کہ وہ لحظہ بھر کے
لئے فرض محال کے طور پر بھی اُس سے انکار کے متحمل نہ ہوسکتے تھے اس لئے وہ صحت
ادراک حواس کا انکار کرکے اور اُس کے خطرناک نتایج دیکھکر بہت گھبرائے اور سخت مرض تک نوبت
پہونچی - مگر اُنھوں نے جلد دین کے مستحکم قلعہ میں پناہ لی۔ (مترجم)

[illegible]

[illegible]

نہیں ہوئی بلکہ اُس نور سے حاصل ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے دل میں
ڈالا اور یہی نور اکثر معارف کی کلید ہے - جس شخص نے یہ گمان کیا
کہ کشف مجرّد دلایل پر موقوف ہے تو اُس نے اللہ کی وسیع رحمت
کو نہایت تنگ سمجھا - اور جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ
سوال کیا گیا کہ شرح صدر کیا ہے اور اس قول خداوندی میں کہ فَمَن

تنبیہ مترجم

حاسہ کے ادراکات سے دوسرے حاسہ کے ادراک کی غلطی اور کبھی ایک شخص
کے ادراک سے دوسرے شخص کے ادراک کی غلطی رفع ہو جاتی ہے - غلطیوں
کی مثالیں جو پیش کی جاتی ہیں وہ یا تو ایسی ہوتی ہیں جن میں کسی خاص
حاسہ میں بباعث مرض وغیرہ کوئی فتور واقع ہوگیا ہو یا ایسی ہیں جن میں
ادراک بجائے دفعۃً حاصل ہونے کے اس قدر تدریج سے حاصل ہو کہ کسی آن
واحد میں شے مُدرَک محسوس نہ ہو سکے یا شے مُدرَک ایسی قلیل المقدار ہو کہ وہ
غایت صغر کی وجہ سے محسوس ہونے کے قابل نہ ہو مگر انسان کا اس
قسم کے مغالطات سے آگاہ ہوجانا اور یہ کہنا کہ حواس سے اس اس قسم کی
غلطیاں واقع ہوا کرتی ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ گو فرداً فرداً اشخاص خاص
اس قسم کی غلطیوں میں پڑ سکتے اور دھوکا کھا سکتے ہیں مگر آخر کار گروہ انسانی
اُن غلطیوں کی خود ہی صحت کر لیتا ہے اور صحت کرنے کے واسطے محک و معیار
ٹھیرا لیتا ہے - پس یہ مثالیں درحقیقت ادراکات انسانی کے صحیح اور واقعی ہونے
کی تائید کرتی ہیں نہ کہ تردید - کیونکہ یہ کہنا ہی کہ ہم نے فلاں امر میں غلطی کی
ہے اُس غلطی سے نکلتا ہے ◆ (مترجم)

تو مطلوب نہیں ہیں - کیونکہ یہ خود حاضر و موجود ہیں اور حاضر و موجود کو اگر طلب کیا جاوے تو وہ اُلٹا بھی مفقود و مستور ہوجاتا ہے - اور جو شخص اُس چیز کو طلب کرتا ہے جو طلب نہیں ہو سکتی تو اُس پر کوئی یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ اُس نے قابل طلب چیز طلب کرنے میں کیوں کوتاہی کی ہے +

اقسام طالبین

مدعیان حق کے چار فرقے

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور بے انتہا جود سے مجھ کو اس مرض سے شفا بخشی اور اقسام طالبین میری رائے میں چار قرار پائے یعنے

اوّل - اہل کلام جن کا یہ دعوےٰ ہے کہ ہم ہی اہل الرّاے و اہل النظر ہیں +

دوئم - اہل باطن جن کا یہ زعم ہے کہ ہم اصحاب تعلیم ہیں اور ہم میں یہ خصوصیت ہے کہ ہم نے ہی امام معصوم سے سینہ بسینہ تعلیم پائی ہے +

سوئم - اہل فلاسفہ جن کا یہ گمان ہے کہ ہم ہی اہل منطق و بُرہان ہیں +

چہارم - صوفیہ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم خاصان بارگاہ ایزدی و اہل مشاہدہ و مکاشفہ ہیں +

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

یہ میرے مقصود کے لئے کافی نہیں۔اس علم سے مقصود یہ ہے۔کہ
عقیدہ اہل سنت و جماعت کی حفاظت کیجائے۔اور اہل بدعت کی تشویش
سے اُس کو بچایا جاوے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے رسوؐل
صلعم کی زبان مبارک سے عقیدہ حق نازل کیا۔جس میں اُس کے بندوں
کی صلاح دینی و دنیوی ہر دو ہیں جیساکہ قرآن مجید میں اور احادیث میں
مفصل موجود ہے۔لیکن شیطان نے اہل بدعت کے دلوں میں وسوسے
ڈال کر ایسے امور پیدا کئے جو مخالف سنّت ہیں۔پس اہل بدعت نے
اس باب میں زبان درازی کی۔اور قریب تھا کہ اہل حق کے عقیدہ میں
تشویش پیدا ہو۔کہ اللہ تعالیٰ نے گروہ علماء اہل کلام کو پیدا کیا۔اور اُنھیں
یہ تحریک پیدا کی کہ حمایت سنت کے لئے ایسا کلام مرتب کام میں لائیں
جس سے تلبیسات بدعت جو خلاف سنت ماثورہ پیدا ہوئی ہیں منکشف
ہوجائیں۔غرض اس طور پر علم کلام و علماء علم کلام کی ابتداء ہوئی پس
ان میں سے ایک گروہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلایا اُٹھا۔اور
اُنھوں نے دشمنوں سے عقیدہ سنّت کی خوب حفاظت کی۔اور اہل بدعت
نے اس کے نورانی چہرہ پر جو بدنما داغ لگادیئے تھے اُن کو دور کیا
لیکن ان علماء نے اس باب میں اُن مقدّمات پر اعتماد کیا جو اُنھوں نے
منجملہ عقائد مخالفین خود تسلیم کرلئے تھے۔اور وہ اُن کے تسلیم کرنے پر یا تو
بوجہ تقلید مجبور ہوئے یا بوجہ اجماع و سنّت۔یا محض بوجہ قبول قرآن مجید
و احادیث۔زیادہ تر بحث اُن کی اس باب میں تھی کہ اقوال مخالفین میں

مناقضات نکالے جائیں اور اُن کے مسلمات کے لوازم پر گرفت کیجائے - لیکن یہ امور اُس شخص کو بہت ہی تھوڑا فائدہ پہونچا سکتے ہیں جو سوا بدیہات کے کسی شئے کو مطلق تسلیم نہیں کرتا - اس لئے علم کلام میرے حق میں [illegible] - اور [illegible] ورد [illegible] ثابت [illegible] سے اس [illegible] ہوسکتی تھی ❖

> کتب کلام میں لاطائل تدقیقات فلسفیانہ

خیر جب علم کلام نکلا اور اُس میں بہت خوض ہونے لگا اور مدت دراز گذر گئی تو اہل کلام بوجہ اس کے کہ وہ حقایق امور کی بحث اور جواہر و اعراض اور اُن کے احکام میں خوض کرنے لگے محافظت سنت کی حد سے تجاوز کرگئے - لیکن چونکہ یہ اُن کے علم سے مقصود نہ تھا اس لئے اُن کا کلام اس باب میں غایت حد تک نہ پہونچا اور اُس سے یہ حاصل نہ ہوا کہ اختلاف خلق سے جو تاریکی حیرت پیدا

حاشیہ

ٰلہ جس زمانہ میں مسلمانوں کا نیر اقبال اوج پر تھا تو اُن میں علوم حکمیہ یونان کا کثرت سے رواج ہوا - اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن علوم کے مسائل حکمیہ اور اس زمانہ کے مسائل مجتہدہ اسلام میں اختلاف دیکھکر بہت سے اہل اسلام کے عقاید مذہبی میں تزلزل آگیا تھا - ان علوم حکمیہ کے ملحدانہ اثر روکنے کے لئے ہمارے علمار سلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے علم کلام نکالا ❖

متقدمین علمار کلام کی تصنیفات نہایت سلیس و مختصر و کار آمد ہوتی تھیں مگر رفتہ رفتہ فلسفی مزاج متکلمین نے اُس کو ایک مبسوط فن قرار دے لیا جو جملہ دقیق مسائل منطق و فلسفہ و طبعیات کا متکفل ہوگیا ہے - چونکہ یونانی فلسفہ و

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

معلوم تھا کہ جب تک کوئی شخص اصل علم میں اُس علم کے سب سے بڑے عالم شخص کے برابر ہوکر درجہ انتہا کو نہ پہونچ جاوے۔ اور پھر ترقی کرکے اُس کے درجہ سے تجاوز نہ کر جاوے۔ اور اُس علم کی دشواریوں اور آفات سے اس قدر اطلاع حاصل نہ کرلے کہ اُن سے وہ عالم بھی واقف نہ ہو۔ تب تک علم فلسفہ کی کسی قسم فساد سے واقف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں یہ امر ممکن ہے کہ علم مذکور کے فساد کی نسبت جوکچھ اس کا دعوے ہوگا وہ صحیح ہوگا۔ لیکن میں نے علمار اسلام سے کوئی ایک بھی ایسا شخص نہیں[1] دیکھا جسنے

حاشیہ

[1] اس زمانہ میں بھی ہمارے علمار اہل اسلام کو اسی آفت نے گھیر رکھا ہے۔ وہ علوم جدیدہ سے محض جاہل ہیں۔ مگر باوجود اس کے اُن مسائل پر جو اُن علوم پر مبنی ہیں گفتگو کرنے بلکہ اُن کی تردید کرنے اور ان مسائل کے ابطال میں کتابیں لکھنے اور اُن مسائل کے قائلین کی نسبت کفر کے فتوے دینے کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں ہندوستان بھر میں ہمارے علمار دین کے گروہ میں ایک بھی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس نے حسبۃً للہ خدمت دین کی غرض سے علوم جدیدہ میں دستگاہ کامل پیدا کرنے کی محنت اپنے اوپر اُٹھائی ہو۔ اور جو اعتراضات ان علوم کے رُو سے اُن پر وارد ہوتے ہیں اُن سے کماحقہ واقفیت پیدا کی ہو۔ اور پھر اُن اعتراضات کے اُٹھانے میں حتی المقدور کوشش کی ہو۔ اس زمانہ میں ہمارے علمأ کی تحقیق صرف اس امر میں محصور ہے کہ اگر کوئی شخص واقعات نفس الامری کی بناء پر جو حسب تحقیقات علوم جدیدہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوئے ہیں اسلام پر کوئی اعتراض

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

کسی طرح متصور نہیں - پس وہ اس امر کی طرف گئے ہیں کہ روح مرجاتی ہے - اور پھر عود نہیں کرتی - اس لئے اُنھوں نے آخرت کا اور بہشت و دوزخ کا اور قیامت و حساب کا انکار کیا ہے - غرض اُن کے نزدیک نہ کسی طاعت کا ثواب ہے نہ کسی گناہ کا عذاب - پس وہ بے لگام ہوگئے ہیں - اور بہائم کی طرح شہوات میں منہمک ہیں - یہ لوگ بھی زندیق ہیں کیونکہ ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ اور یوم آخرت پر یقین کیا جائے - اور یہ لوگ اگرچہ اللہ اور اُس کی صفات پر تو ایمان لائے ہیں مگر یوم آخرت سے منکر ہیں +

۳ - آلہیہ | قسم سوم آلہیہ +

یہ لوگ متاخرین اہل فلسفہ ہیں اور ان ہی میں سے سقراط ہے

بقیہ حاشیہ

اعادہ معدوم کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر جواہر و ذوات باسرہا معدوم ہو جاویں تو شخص مُعاد بعینہ شخص اوّل جس پر عدم طاری ہوا تھا نہ ہوگا - اور اس لئے اس صورت میں ایصال ثواب و عقاب بھی ممکن نہ ہوگا +

علاوہ ازیں وہ کہتے ہیں کہ منجملہ دیگر تشخصات موجودات کے زمان بھی ہے - پس اگر اعادہ معدوم مع جملہ تشخصات ممکن ہو تو اعادہ زمان بھی لازم آئے گا - جو ناممکن ہے - اس کے جواب میں ہمارے علمأ نے طول طویل بحثیں کی ہیں - اور حق الامر یہ ہے کہ اگر زمان کو تشخصات میں داخل سمجھا جاوے تو جواز اعادہ معدوم ثابت کرنا محال ہے + (مترجم)

جو اُستاد تھا افلاطون کا جو اُستاد تھا ارسطا طالیس کا - ارسطا طالیس وہ شخص ہے جس نے اُن کے لئے علم منطق مرتب کیا - اور دیگر علوم کو ترتیب دیا - اور جن علوم کا پہلے خمیر نہ ہوا تھا اُن کے لئے اُن علوم کا خمیر کردیا - اور جو علوم خام تھے اُن کو پختہ بنایا - اور جو مبہم تھے اُن کو واضح کردیا +

اِن سب فلسفیوں نے پہلے دونوں فرقے یعنے دہریہ و طبعیہ کی تردید کی ہے - اور اس قدر اُن کی فضیحت کی ہے کہ غیروں کو اسکی ضرورت نہیں رہی - ان کی آپس کی لڑائی کے سبب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اُن کے مقابلہ سے بچالیا - پھر ارسطا طالیس نے افلاطون اور سقراط کی اور اُن سب فلاسفہ الٰہیہ کی جو اُس سے پہلے گذرے ہیں ایسی تردید کی ہے کہ کچھ کسر باقی نہیں رکھی - اور اُن سب سے اپنی بیزاری ظاہر کی ہے - لیکن اُس نے بعض رذایل کفر و بدعت ایسے چھوڑ دیئے جس کی تردید کی توفیق خدا تعالیٰ نے اُس کو نہیں بخشی تھی - پس واجب ہے کہ اُس کو اور اُن کے اتباع مثلاً علماء اسلام میں سے بوعلی ابن سینا اور فارابی وغیرہ کو کافر کہا جائے - کیونکہ ان دو شخصوں کی مانند اور کسی شخص نے فلاسفہ اہل اسلام میں سے فلسفہ ارسطا طالیس کو اس قدر کوشش سے نقل نہیں کیا اور ان شخصوں کے

تکفیر بوعلی سینا و بونصر فارابی

ف - امام صاحب کی تقریر سے محض ملاپن ظاہر ہوتا ہے - امام صاحب نے اگرچہ اس مقام پر کوئی عام اصول تکفیر قائم نہیں کیا - الا جس بناء پر اُنھوں نے

سوائے اَور اشخاص نے اگر کچھ لکھا بھی ہے تو اُن کے دلایل خلط ملط ہیں اور بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے۔ وہ اُن کی تحریر سے ظاہر ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ دیگر علمائے نے بھی علوم فلاسفہ میں کتابیں لکھی ہیں الّا اُن کی تحریریں ایسی واضح نہیں ہیں جیسی بوعلی سینا کی ہیں۔ اس لئے بوعلی سینا کی تحریر سے لوگوں کے عقاید میں فتور آنے کا زیادہ تر اندیشہ ہے۔ دوسرے مصنفوں کی تحریریں خلط ملط ہیں جن سے پڑھنے والوں کا دل اُکتا جاتا ہے۔ اور ذہن مشوش ہوجاتا ہے ◆

امام صاحب کی اوّل تو یہ سخت غلطی ہے۔ کہ تکفیر کا مدار نفس خیالات مصنف پر رکھنے کے بجائے اُس اثر پر رکھا ہے جو اُس کی تصنیف سے پڑھنے والوں پر مترتب ہوتا ہے۔ اگر یہ اصول تکفیر تسلیم کیا جاوے۔ تو خداوند تعالیٰ کے اس قول کی نسبت جہاں قرآن مجید کی نسبت فرمایا ہے يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا کیا سمجھا جائیگا ◆

دوم یہ نہایت پست ہمتی و بُزدلی ہے۔ کہ امام غزالیؒ سا جیّد عالم مذہب اسلام کو فلسفہ کے روبرو لانے سے ڈرے۔ اور غایت نصرت دین اس میں تصوّر کرے کہ مسلمانوں کے کانوں اور آنکھوں کو کلام فلاسفہ کے سُننے اور پڑھنے سے باز رکھے۔ کیا حقیقت میں مذہب اسلام ایسا بودا ہے۔ کہ وہ علوم حکمیہ کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے۔ کہ لوگوں کی آزاد رائے کو دبا کر اور بذریعہ فتوے کفر تخویف کام میں لا کر شیوع علوم کو روکنے سے مذہب کو دوامی استحکام و نصرت حاصل ہوسکے۔ ہرگز نہیں۔ اس قسم کے کفر کے فتووں کے دینے اور مخالف رایوں کے دبانے کا دنیا میں ہمیشہ یہ نتیجہ ہوا ہے۔ کہ ضدیت کو قوت اور مخالفت کو اَور زیادہ تر اشتعال ہوا ہے ◆

خالی از خبط نہیں - پڑھنے والے کا دل گھبرا جاتا ہے اور وہ نہیں

بقیہ حاشیہ

امام صاحب کے زمانہ میں بعض کتب حکمیہ کے ترجمے نہایت ناقص اور ناقابل فہم ہوئے تھے - امام صاحب خوش ہوتے تھے - کہ نہ یہ ترجمے کسی کی سمجھ میں آویں گے نہ اُن کے عقاید میں فتور واقع ہوگا - اور جن لوگوں نے یہ ناقص ترجمے کئے تھے - اُن کے حق میں امام صاحب نے یہ رعایت فرمائی - کہ اُن کو کافر نہیں کہا - مگر بکرے کی ماں کب تک خیر منائی - آخر وُہی علوم حکمیہ جن کو امام صاحب دبانا چاہتے تھے دنیا میں پھیلے - اور آجکل اس کثرت سے شایع ہوئے ہیں - کہ گلی کوچوں میں پھیل گئے ہیں - اور گو اُن کو بالتفصیل جاننے والے اس ملک میں ابھی کسی قدر کم ہیں - الّا اُن علوم کے نتایج اور امور محققہ سے عوام تک آگاہ ہوگئے ہیں +

یہ تائید و نصرت دین تھی امام غزالیؒ صاحب کی - مگر اس زمانہ کا ایک محقق لکھتا ہے - کہ "کوئی مذہب ایسا دنیا میں نہیں ہے - جو دوسرے مذہب پر گو وہ کیسا ہی باطل کیوں نہ ہو اپنی ترجیح بہمہ وجوہ ثابت کردے - مگر یہ رتبہ صرف اُسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچر کے مطابق ہے - اور میں یقین کرتا ہوں - کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جس کو میں ٹھیٹ اسلام کہتا ہوں" وہ کہتا ہے کہ کوئی لفظ اسلام کا ایسا نہیں ہے جس پر بحث سے کچھ اندیشہ ہو اور یہی میں یہی خوبی ہے کہ اُس کو بحث سے اندیشہ نہیں ہے" +

اب دیکھنا چاہئے کہ اصلی طریقہ تائید و نصرت اسلام کا وہ ہے جو امام صاحب نے اختیار کیا تھا - یا وہ جو اس پچھلے شخص نے اس زمانہ میں اختیار کیا ہے + (مترجم)

جان سکتا کہ میں کیا سمجھا اور کیا نہ سمجھا۔اور نہ یہ جان سکتا ہے کہ کس امر کو قبول کرنا چاہئیے۔اور کس کو رد کرنا چاہئیے +

ہمارے نزدیک فلسفہ ارسطا طالیس سے جو کچھ حسب نقل ان دو شخصوں کے صحیح ہے اُس کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل قسم۔ وہ جس سے تکفیر واجب ہے +

دوم قسم۔ وہ جس سے بدعتی قرار دینا واجب ہے +

سوم قسم۔ وہ جس کا انکار ہرگز واجب نہیں +

اب ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں +

اقسام علوم فلاسفہ

علوم فلسفیہ کے چھ اقسام + جاننا چاہئیے کہ اُس غرض کے اعتبار سے جس کے لئے ہم علوم کی تحصیل کرتے ہیں۔علوم فلسفہ کی چھ قسمیں ہیں[1]۔

(۱) ریاضی۔ (۲) منطق۔ (۳) طبعیات۔ (۴) الٰہیات۔ (۵) سیاست مدن۔ (۶) علم اخلاق +

۱۔ریاضی علم ریاضی۔ یہ علم متعلق ہے حساب و ہندسہ و علم ہیئت عالم سے

حاشیہ

[1] احیاء العلوم میں امام صاحب نے علم فلسفہ میں صرف چار علوم ریاضی۔منطق۔الٰہیات۔طبعیات کو شامل کیا ہے مگر کچھ شک نہیں کہ علم سیاست مدن اور علم اخلاق بھی فلسفہ میں داخل ہیں اور حکماء حال بھی ان ہر دو علوم کو داخل علم فلسفہ سمجھتے ہیں + (مترجم)

اور اُن کے صحیح ہونے یا نہ ہونے سے کوئی امر دینی متعلق نہیں بلکہ یہ امور استدلالی ہیں کہ ان علوم کو جاننے اور سمجھنے کے بعد اُن سے انکار ہو ہی نہیں سکتا مگر ان علوم سے دو آفتیں[1] پیدا ہوئی ہیں +

علوم ریاضی سے دو آفتیں پیدا ہوئیں

---

[1] جن دو آفتوں میں امام صاحب کے زمانہ کے مسلمان مبتلا تھے اُنھیں آفتوں میں زمانہ حال کے مسلمان بھی مبتلا ہیں - پہلی آفت میں مبتلا تو اُن لوگوں کا گروہ ہے جنھوں نے علوم حکمیہ جدیدہ میں تعلیم پائی ہے - چونکہ اُنھوں نے ہیئت و کیمیا و طبعیات میں کمال درجہ کی مزاولت پیدا کی ہے ان علوم کے براہین واضح نے جو سراسر مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہیں اُن کی طبیعتوں کو ہر امر کے ثبوت میں دلایل یقینی طلب کرنے کا عادی بنا دیا ہے - اور اُن کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ اگر فی الواقع دنیا میں کوئی سچائی ہے تو اُس کے ثبوت میں ایسے ہی قطعی دلایل ضرور مل سکتے ہوں گے - لیکن مذہب کے لئے ایسے قطعی ثبوت کا ملنا ہماری موجودہ خلقت کی حالت میں ناممکن ہے - مذہب کے ثبوت سے میری مراد اُن فروعی مسائل سے نہیں ہے جن کا بتمامہ قطعی دلائل سے ثابت ہونا ظاہرا امر محال ہے - بلکہ میری مراد اصل اصول جملہ مذاہب سے ہے جس سے کسی اہل مذہب کو مفر نہیں ہے - مثلاً ہر اہل مذہب کو خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی مسلمان ہو - یا آزاد منش خود پسند براہمو - خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین کرنا ضرور ہے مگر کیا اس یقین کے لئے ایسے قطعی دلایل مل سکتے ہیں جیسے اس دعوے کے ثبوت کے لئے کہ مثلث کے کوئی سے دو ضلع ملکر تیسرے ضلع سے بڑے ہوتے ہیں

بحث اول۔ یعنے یہ خیال کہ اگر اسلام برحق ہوتا تو اُسکی حقیت فلاسفہ ریاضی داں پر مخفی نہ رہتی

آفت اوّل یہ ہے کہ جو شخص ان علوم میں غور کرتا ہے وہ ان علوم کی باریکیوں اور اُن کی روشن دلیلوں سے متعجب ہوتا ہے اور اس سبب سے وہ فلاسفہ کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ اور اُس کو یہ

بقیہ حاشیہ

نہیں ہرگز نہیں۔کس طرح ایسا قطعی ثبوت بہم پہونچ سکتا ہے ایسی ذات کے لئے جسکو نہ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ سمجھ سکتے ہیں۔ جو نہ جوہر ہے نہ عرض۔ جو نہ یہاں ہے نہ وہاں نہ کسی اور جگہ۔ مگر سب جگہ ہے۔ جو نہ کان رکھتا ہے نہ آنکھیں نہ ہاتھ۔ مگر سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ اور تمام عالم کا صانع ہے +

جب سب سے مقدم اور سب سے عام عقیدہ مذہبی کا یہ حال ہے۔تو اُسکے فروعات میں تو ایسے قطعی ثبوت کی جیسے مسائل علوم جدیدہ میں دیئے جاسکتے ہیں کیا ہی توقع ہوسکتی ہے۔ پس یہ فرقہ اُن تمام عقاید مذہبی سے جن کا ایسا روشن ثبوت نہیں دیا جا سکتا منکر ہوگیا ہے یہ ایک گروہ ہے خود منش لا مذہب نوجوانوں کا جو نہ صرف منکر رسالت ہیں۔بلکہ وہ نہ خدا کے معتقد ہیں۔ نہ مذہب کے پیرو۔ نہ عقبےٰ کے قائل نہ کبائر سے مجتنب نہ احکام الٰہی کے پابند۔ اُن کا مذہب صرف یہ ہے کہ ہر ایک فعل جس سے نفس انسانی کو حظ حاصل ہو بشرطیکہ اُس پر کوئی گرفت قانون کی نہ ہوتی ہو جائز ہے۔ افسوس ہے کہ یہ خوفناک فرقہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔اور ہمارے علماء کو اس آفت کے روکنے کی ذرا فکر نہیں ہے۔بلکہ اگر کوئی خدا ترس بقدر اپنی استعداد کے اس آفت کے دور کرنے میں سعی کرتا ہے۔تو ہمارے علمائے دین اُس کو بھی اُنھیں آفت زدوں میں شمار کرنے لگتے ہیں +

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

بقیہ حاشیہ

ہے کہ یہ لوگ کافر اور معطل تھے اور امور شرعی میں سستی کرتے تھے۔
اس لئے وہ محض تقلید کا انکار کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر دین

دوسری آفت اہل اسلام پر خود علمائے دین کی طرف سے آئی ہے جنکو امام صاحب نے واجبی طور پر **اسلام کے جاہل دوست** کا لقب دیا ہے۔ یہ مقدس گروہ مخالفت علوم حکمیہ جدیدہ کو شرطِ اتقا و دینداری سمجھتا ہے۔ اور اُن تمام واقعات نفس الامری سے جو ان علوم میں بذریعہ تجربہ و مشاہدہ ثابت ہوچکے ہیں۔ اور جن کا متحقق ہونا تمام عقلائے عالم نے تسلیم کرلیا ہے انکار کرتے ہیں۔ اور صرف اس حیلہ پر کہ حواس انسانی کی ادراکات میں غلطی کا ہونا ممکن ہے اپنے تئیں اور تمام عقلاء کو اندھا اور بہرا کہلانا گوارا کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ از روئے مذہب اسلام یہ یقین کرنا ضرور ہے کہ زمین ساکن ہے اور آفتاب اُس کے گرد گردش کرتا ہے اور آسمان بجوف کروی جسم گنبد یا چورس چھت کی مانند ہے۔ اور تمام ستارے اُس میں جڑے ہوئے ہیں۔ اور اُس میں چوکھٹ کواڑ۔ قبضے۔ کڑے۔ کنڈے سب لگے ہوئے ہیں ◆

جلال الدین سیوطی نے آیات قرآنی اور سے بیدا ہوئی سے اخذ کرکے ایک ہیئت اسلامی بنائی ہے۔ اور اُس پر ایک رسالہ مسمی بہ الہیئۃ السنیۃ تحریر کیا ہے۔ فخرالاسلام **سید احمد خاں** صاحب نے اس رسالہ کے بعض مضامین کو اپنی ایک تحریر میں مختصراً بیان کیا ہے جو ہم یہاں بجنسہ نقل کرتے ہیں ◆

وہ لکھتے ہیں کہ عرش یعنے فلک الافلاک کے گرد چار نہریں ہیں۔ ایک نور کی ایک تار کی۔ ایک برف کی۔ ایک پانی کی۔ پھر لکھا ہے کہ کل دنیا کے لوگوں کی

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

سن چکتا ہے تو یہ نتیجہ نکالتا ہے ~~کہ حق الاشرفیہ~~ ہے کہ دین سے
اعراض و انکار کیا جائے میں نے بہت سے اشخاص دیکھے ہیں جو

بقیہ حاشیہ

پیدا نہیں ہوتا۔لیکن اُن کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام دلایل قطعی کے انکار اور جہالت پر مبنی ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فلسفہ سے رغبت اور اسلام سے نفرت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی نصرت ہوگی اُس نے حقیقت میں دین اسلام پر سخت ظلم کیا +

مگر امام صاحب کا یہ کہنا کہ یہ دونوں آفتیں فلسفہ سے پیدا ہوئی ہیں کلی طور پر صحیح نہیں ہے۔آفت اول کی نسبت شاید کسی قدر یہ خیال صحیح ہو مگر دوسری آفت خود علمائے دین نے اپنی جہالت سے پیدا کی ہے۔اور وہ جہالت علوم حکمیہ و فلسفہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی ہے۔اور اگر یہ کہا جاوے کہ چونکہ یہ آفت علوم حکمیہ سے جاہل رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اس لئے من وجہ اُن علوم کو اُس کا باعث سمجھنا چاہئے۔تو معاذ اللہ اسی طرح یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام کفر و ضلالت کا موجب قرآن مجید ہے۔کیونکہ کفر و ضلالت بھی قرآن مجید سے جاہل رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے +

یہ دوسری آفت اسلام کے جاہل دوستوں کی محض اپنی حماقت کا نتیجہ ہے۔بلکہ اس آفت نے کچھ شک نہیں کہ پہلی آفت کو اَور بھی خطرناک بنا دیا ہے کیونکہ علوم حکمیہ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اپنی دلایل یقینیہ و مسائل قطعیہ کے ذریعہ سے نوجوانوں کے دلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اُس کے مقابلہ میں ہمارے علماء نے دین اسلام کو نہایت بھدّی۔بدنما۔کریہہ منظر ڈراونی صورت میں پیش

صرف اتنی ہی بات سے راہ حق سے بھٹک گئے اور جن کے پاس
سوائے اتنی بات کے اَور کوئی سند نہیں تھی۔ جب ایسے شخص
کو یہ کہا جاتا ہے کہ جو شخص ایک صفت خاص میں کامل ہو ضرور
نہیں کہ وہ ہر ایک صفت میں ویسا ہی کامل ہو۔ مثلاً جو شخص
علم فقہ یا کلام میں ماہر ہو ضرور نہیں کہ وہ طبیب حاذق بھی ہو اور
نہ یہ ضرور ہے کہ جو معقول سے ناواقف ہو وہ علم نحو سے بھی ناواقف
ہو بلکہ ہر کارے و ہر مردے۔ ایسے لوگ اپنے فن کے شہسوار و
ماہر کامل ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اَور چیزوں میں محض احمق و جاہل ہوں۔
پس اوائل فلاسفہ کا کلام در باب علوم ریاضی استدلالی ہے اور در باب
الٰہیات محض ظنی۔ اس کی معرفت اُسی کو حاصل ہوسکتی ہے جس نے

بقیہ حاشیہ

کیا۔ کیا اسلام کی حقیقت میں ایسی ہی صورت ہے جیسے ان خدا ناترسوں نے دنیا
پر ظاہر کی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اسلام کی یہ صورت اُن لغو و مہمل و موضوع اقوال
سے بن رہی ہے جو لوگوں نے اپنی طرف سے اُن میں ملائے ہیں اور یقین دلایا ہے کہ یہ
جزو مذہب اسلام ہیں۔ اب وقت ہے کہ اسلام کے جاہل دوست اُس کے سچے اور خالص
دوست بنیں۔ اور اس زمانہ میں جو عیب اسلام پر لگائے جاتے ہیں وہ اپنے اوپر لیں
اور اعتراف کریں کہ جن امور کو دنیا نے موردِ طعن و تشنیع ٹھیرایا ہے وہ ہمارے
اور ہمارے باپ دادوں کے اپنے اقوال ہیں جو اسلام میں مختلط ہوگئے ہیں۔ ورنہ
مذہب اسلام اُن تمام عیوب سے مبرّا و منزّہ ہے +

اسلام بذاتِ خویشتن ندارد عیبے + ہر عیب کہ ہست در مسلمانیٔ ماست

اُس کا تجربہ کیا ہو اور اُس میں خوض کیا ہو۔ جب ایسے شخص کے ساتھ جس نے تقلید اختیار کی ہو یہ تقریر کی جاتی ہے تو وہ اِس کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ غلبۂ ہوا و شوقِ بطلان اور عقلمند کہلانے کی آرزو اُس کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ جمیع علوم میں فلسفیوں کی تحسین پر اصرار کرے۔ غرضکہ یہ آفت عظیم ہے۔ اور واجب ہے کہ ہرایک ایسے شخص کو جو اِن علوم میں خوض کرے بوجہ اس آفت کے زجر کیجائے۔ کیونکہ اگرچہ یہ امور دین سے بالکل تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن چونکہ ان کے دیگر علوم کی بنیاد اِنھیں پر ہے اس لئے اُن سے دین کو خرابی اور آفت پہونچتی ہے۔ پس جو کوئی اس میں خوض کرتا ہے اُس کی نسبت یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ دین سے خارج ہوگیا اور اُس کے مُنہ سے لگام تقوے نکل گئی ٭

آفت دوم۔ بعض محبوبدل بن اسلام نے انکار علوم ریاضی کرکے اسلام کو مخالف علوم حکمیہ مشہور کیا ٭

آفت دوم۔ یہ آفت اسلام کے جاہل دوستوں سے پیدا ہوئی ہے جن کا یہ خیال ہے کہ دین کی فتح یابی یہ ہے کہ جو علم فلاسفہ کی طرف منسوب ہو اُس سے انکار واجب ہے۔ اس لئے انھوں نے جملہ علوم فلاسفہ سے انکار کیا ہے۔ اور اُن کی جہالت نے اُن کو یہانتک آمادہ کیا کہ جو کچھ فلسفیوں نے کسوف و خسوف کے باب میں لکھا ہے اُس سے بھی انکار کیا۔ اور یہ سمجھا کہ اُن کے یہ اقوال بھی خلاف شرع ہیں۔ جب یہ بات ایسے شخص کے کان میں پڑتی ہے جس کو

کہ چاند اور سورج منجملہ اللہ کی نشانیوں کے ہیں۔ جن کا خسوف نہ کسی کی موت کے سبب ہوتا ہے اور نہ کسی کی حیات کے باعث۔

ایسے مسائل کی جو حسب روایات اسلامی و تفسیر علماء مفسرین داخل عقاید اسلام سمجھے جاتے تھے تکذیب ہوتی تھی۔ مثلاً ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کی راہ کا فاصلہ ہونا۔ آسمانوں میں دریاؤں کا ہونا۔ آفتاب کا گرم پانی کے چشمہ میں ڈوبنا۔ شہاب ثاقب کا شیاطین کی مار کے واسطے پھینکا جانا۔ سکون زمین کے لئے پہاڑوں کا بطور میخوں کے گاڑا جانا۔ زلزلۂ زمین کا بوجہ گناہ خلقت کے وقوع میں آنا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام مسائل کی یونانی علم ہیئت تکذیب کرتا ہے۔ مگر باوجود اس کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس علم کو نفیاً یا اثباتاً دین اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب ان لغو و مہمل روایات کو جن کا ہم نے اوپر اشارہ کیا داخل مذہب نہیں جانتے تھے اور خالص دین اسلام کو ان عیوب سے مبرّا سمجھتے تھے۔ لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا امام صاحب کے پاس ایسی کونسی کسوٹی تھی جس سے وہ صحیح و غیر صحیح روایات میں تمیز کر لیتے تھے۔ اور جائز اور ناجائز کا فتوے دیدیتے تھے۔ منقولات میں تو بجز کلام الٰہی کے اَور کسی کسوٹی کا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ وُہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس کی صحت کی نسبت کوئی مسلمان دم نہیں مار سکتا۔ اس کے سواء جتنی اَور کسوٹیاں خیال میں آتی ہیں اُن کی صحت متفق علیہ نہیں ہے۔ اور اُن کی صحت کے لئے اَور کسوٹی کی تلاش کرنی پڑتی ہے ÷

البتہ معقولات میں تجربہ و درایت ایسی فطری کسوٹیاں ہیں جن کے ذریعے

بقیہ حاشیہ

پس جب تم اُن کو دیکھو تو اللہ کو یاد کرنے اور نماز پڑھنے کی طرف متوجہ ہو۔ کوئی ایسی بات نہیں۔ جس سے انکار حساب واجب ہو کہ اُس کے

ہر ایک مذہب کا پیرو اور ہر علم کا عالم تحقیق حق کرتا ہے +

یہ کسوٹیاں ہر زمانہ کے مسلمانوں کے پاس موجود ہیں۔ اور امام صاحب کے پاس بھی اس سے بڑھ کر اَور کوئی ذریعہ تحقیق کا نہ تھا۔ پس اگر اس زمانہ میں بھی ہمارے معلومات مذہبی میں کوئی ایسا امر پایا جائے۔ جس کی ان کسوٹیوں سے تکذیب ہوتی ہو۔ تو اُس کا ابطال و انکار واجب ہوگا +

امام صاحب نے اس امر کو اپنی کتاب **تہافۃ الفلاسفہ** میں کسی قدر مشرح بیان کیا ہے جس کو ہم بالاختصار یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ منجملہ اُن مسائل اختلافی کے جن میں فلاسفہ اور اہل اسلام کا باہم تنازع ہے بعض وہ مسائل ہیں جن سے اصول دین کو کچھ ضرر نہیں پہونچتا۔ اور نہ بنظر تصدیق انبیاءؑ اُن مسائل کی تردید ضروری ہے۔ مثلاً علماء ہیئت کہتے ہیں کہ زمین کرہ ہے اور اُس کے چاروں طرف آسمان محیط ہے۔ اور نور قمر نور شمس سے مستفاد ہے۔ جب شمس و قمر کے درمیان کرہ زمین کے حائل ہونے کی وجہ سے قمر تاریک رہ جاتا ہے تو اُس تاریکی کو کسوف قمر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور کسوف شمس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے کرہ زمین اور شمس کے درمیان چاند حائل ہوجاوے۔ اور یہ اُس صورت میں وقوع میں آتا ہے کہ جب دقیقہ واحد میں شمس و قمر کا عُقد تین پر اجتماع ہوجاوے۔ ہمکو اس علم کے ابطال میں خوض نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہم کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ جو شخص یہ گمان

ذریعہ سے چاند و سورج کی رفتار یا اُن کا ایک وجہ مخصوص پر اجتماع یا تقابل معلوم ہوتا ہے - قولِ مذکورہ بالا میں جو الفاظ لٰکِنَّ اللّٰہ اِذَا تَجَلّٰی

کرتا ہے کہ ان مسائل ہیئت کا ابطال داخلِ دینداری ہے وہ دین پر ظلم کرتا ہے اور اُس کو ضعیف بناتا ہے - ان مسائل محققہ علم ہیئت پر ہندسہ و حساب کے رُو سے ایسے دلایل قطعی قائم ہوچکے ہیں کہ اُن میں شک کی مجال نہیں ہے - جو شخص ان دلایل سے واقف ہو اور اُسنے اُنکی خوب تحقیق کر لی ہو اور وہ حساب کے رُو سے کسوف و خسوف کی پہلے سے خبر دیدے اور یہ بھی بتادے کہ کسقدر اور کتنی دیرتک کسوف و خسوف رہیگا - اُسکو اگر یہ کہا جائے کہ تمھارا قول خلاف شرع ہے تو اُس کو اپنے قول کے یقینی ہونے میں تو شک ہونے سے رہا ہی - ہونہ ہو شرع کی صداقت میں ہی اُس کو شبہ پیدا ہوگا - پس بقول شخصے کہ جاہل دوست سے عاقل دشمن بہتر ہے جو لوگ شرع پر معقول طریقہ سے طعن کرتے ہیں اُن سے مذہب اسلام کو اس قدر ضرر نہیں پہونچتا جس قدر اُن لوگوں سے پہونچتا ہے جو بیڈھنگے طور پر شرع کی مدد کرنا چاہتے ہیں - اب اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ شمس و قمر منجملہ آیات خداوندی ہیں ان کا کسوف و خسوف کسی کے مرنے یا جینے سے تعلق نہیں رکھتا - جب تم کسوف و خسوف ہوتا دیکھو اللہ کی یاد کرو اور نماز پڑھو - اب اگر علمائے ہیئت کا قول صحیح ہے تو اُس کو اس حدیث سے کیا نسبت ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث اور قول مذکورہ بالا میں تناقض نہیں ہے - کیونکہ حدیث مذکورہ میں صرف دو باتیں بیان ہوئی ہیں - ایک تو یہ کہ کسوف و خسوف کسی کے مرنے جینے سے تعلق نہیں رکھتے - اور دوسرے یہ کہ کسوف و خسوف کے وقت نماز پڑھو لیکن

لِشَیْءٍ خَضَعَ لَہٗ بیان کئے جاتے ہیں وہ صحاح ستہ میں ہرگز موجود نہیں +

جب شرع میں قریب وقت زوال و غروب وطلوع شمس کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو کسوف شمس کے وقت بھی استحباباً نماز کے حکم دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک اَور حدیث میں آنحضرت صلعم نے اتنا اَور زیادہ فرمایا ہے کہ جب کسی شے پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے تو وہ شے اُس کے آگے سرنگوں ہو جاتی ہے۔تو اُس کا یہ جواب ہے کہ اوّل تو ان زائد الفاظ کی صحت مشتبہ ہے۔ اندریں صورت راوی کی تکذیب واجب ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو امور قطعیہ کے انکار کی بہ نسبت ایسی روایت کی تاویل کرنا سہل تر ہے۔ بہتیری جگہ بعض ایسے دلایل قطعیہ کی وجہ سے جو وضوح میں اس حد تک نہیں پہونچتے تھے جس قدر دلایل در بارہ کسوف و خسوف پہونچتے ہیں ظاہر آیات کی تاویل کرنی پڑی ہے +

امام صاحب کی اس تمام تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر روایات و مسائل مذہبی میں کوئی امر جو منجملہ مہات اصول دین نہ ہو کسی مسئلہ مسلمہ علوم حکمیہ کے مخالف پایا جائے۔اور مسئلہ حکمیہ کے ثبوت میں دلایل قطعی موجود ہوں۔تو ایسے امر مذہبی کی تاویل کرنی لازم ہوگی۔ دلایل قطعی کی تعریف اور اُن کی شرایط فی الحال ہمارے مقصود سے خارج ہیں۔اس لئے ہم اُن پر اِس وقت بحث کرکے خلط بحث کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ جن دلایل پر ہیئت جدید مبنی ہے وہ دلایل ہیئت یونانی سے بدرجہا زیادہ یقینی ہیں۔ اور اگر امام صاحب دلایل علم ہیئت

علم ریاضی کی حکمت اور آفت تو یہ تھی جو بیان کی گئی +

بو منطق ۲ - منطقیات - اس علم کا کوئی مسئلہ بطور نفی یا اثبات دین سے

یونانی کو قطعی قرار دیتے ہیں - تو ہیئت جدید کے دلایل کو اُن کے مقابلہ میں مشاہدہ عینی یا عین الیقین کہنا چاہئے - علاوہ ازیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارے علماء زمانہ حال کا اس بنار پر علوم حکمیہ کی مخالفت کرنا کہ اُن سے تکذیب عقاید دینی کی ہوتی ہے فی الواقع کہاں تک صحیح ہے - ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ہمارے علماء مفسرین نے جو کچھ رطب ویابس اُن آیات کی تفسیر میں لکھا ہے جن میں اجرام سماوی کا کچھ ذکر آیا ہے ہیئت یونانی اُس کی صاف تکذیب کرتا ہے - پس اس قسم کا الزام (اگر ایسا الزام لگ سکتا ہو تو) سراسر ہیئت جدیدہ پر ڈال دینا محض تعصب و نادانی ہے - جہاں تک ہمارا خیال پہونچتا ہے شاید صرف وجود خارجی سبع سموات کا ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی ہیئت جدیدہ تکذیب کرتا ہے اور ہیئت قدیم تکذیب نہیں کرتا - پر در حقیقت ہیئت قدیمہ نے اس مسئلہ اسلامی کو بھی بالکل اچھوتا نہیں چھوڑا - بلکہ نو افلاک ثابت کرکے وجود سبع سموات کا بھی ابطال کر دیا - پس ہم حیران ہیں کہ پھر ہیئت جدیدہ کے اَور کون سے ایسے مسائل ہیں جن سے مسائل دینی کی تکذیب ہوتی ہے - اور عقاید مذہبی میں تزلزل واقع ہوتا ہے - لیکن بالفرض اگر ایسے مسائل ہوں بھی - تو بقول امام صاحب امور قطعیہ کے انکار کی نسبت اُن کی تاویل کر لینا سہل تر ہے - اور دین اسلام کو سخت بدنامی کی آفت سے بچانا ہے - اور برعکس اس کے ابطال ہیئت جدیدہ کے درپئے ہونا اسلام کی کمال بدخواہی کرنا اور علمی دنیا میں

[illegible] (١٣)

[illegible]

[illegible] (٥)

[illegible] (١٤)

[illegible] (٨)

[illegible] (٨)

[illegible] (١)

([illegible])

[illegible] (٧)

[illegible] (٦)

[illegible] (٨)

[illegible] (٥)

[illegible]

[illegible] (١)

[illegible] (١٤)

[illegible] (٨)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تغیر اور استحالہ اور امتزاج واقع ہوتا ہے - اس کی مثال بعینہ طبیب
کی سی ہے جو جسم انسان اور اس کے اعضاء رئیسہ اور اعضاء خادمہ
اور اسباب استحالہ مزاج کی نسبت بحث کرتا ہے اور جس طرح انکار

بقیہ حاشیہ

شے پیدا ہو +

(۷) علم الکیمیا +

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ان علوم کے کسی امر سے شرعاً مخالفت لازم نہیں
صرف چار مسئلے ہیں جن میں ہم مخالفت کرتے ہیں +

(۱) حکماء کا یہ قرار دینا کہ سبب اور مسبب میں جو لزوم پایا جاتا ہے وہ ضروری ہے
یعنے نہ سبب بغیر مسبب کے پیدا ہوسکتا ہے نہ مسبب بغیر سبب کے +

(۲) نفس انسانی جوہر قایم بنفسہ ہے +(۳) ان نفوس کا معدوم ہونا محال ہے +
(۴) ان نفوس کا پھر اجساد میں واپس آنا محال ہے +

اس مقام پر امام صاحب نے چار مختلف مسئلوں کو خلط ملط کردیا ہے اور یہ تصریح
نہیں کی کہ جو شخص ان مسائل اربعہ کا قائل ہو اس کی نسبت کیا حکم ہے - ان
[redacted] امام صاحب حکماء سے مخالفت کرنا ضروری جانتے ہیں
مسئلہ اوّل تو یقیناً ایسا ہے کہ امام صاحب اس کے قائل کی نسبت تکفیر جائز نہیں
رکھتے - کیونکہ تلازم اسباب طبعی کے باب میں فرقہ معتزلہ کی بھی یہی رائے ہے -
اور امام صاحب نے معتزلیوں کی تردید سے منع فرمایا ہے +

مسئلہ ثانی کو سب اہل اسلام تسلیم کرتے ہیں اور جمہور اہل اسلام کا یہی اعتقاد
ہے کہ نفس انسانی جوہر قایم بنفسہ ہے - امام صاحب نے حکماء سے صرف طریق ثبوت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں کیا ہے - ان مسائل کے سوا جن اَور مسائل میں مخالفت واجب ہے - بعد غور کے معلوم ہوگا کہ وہ اُنھیں مسائل میں داخل ہیں -

مسٔلہ نہیں ہے جس کے قایل ہونے سے خوف کفر ہو - لیکن بلاشبہ یہ نہایت اہم مسٔلہ ہے - اور اس زمانہ میں اُس پر بحث کرنے کی زیادہ ضرورت پیش آئی ہے - کیونکہ درحقیقت یہی مسٔلہ وہ خطرناک چٹان ہے جس پر اکثر مذاہب کے جہاز آکر ٹکرائے ہیں اور پاش پاش ہوئے ہیں - اس لئے ہم امام صاحب کے دلایل پر یہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ نظر کرنا چاہتے ہیں - تہافتہ الفلاسفہ میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ حکما کا یہ مذہب ہے کہ سبب اور مسبب میں جو مقارنت پائی جاتی ہے وہ ضروری ہے یعنے سبب اور مسبب کے مابین اس قسم کا لزوم ہے کہ ممکن نہیں کہ سبب بغیر مسبب کے اور مسبب بغیر سبب کے موجود ہوسکے - اس مسٔلہ میں ہم کو حکما کے ساتھ اس واسطے نزاع لازم ہے کہ اس سے کل معجزات و خوارق عادات کا مثلاً لاٹھی کا سانپ بن جانا - مُردوں کا زندہ ہونا - چاند کا پھٹ جانا وغیرہ کا انکار لازم آتا ہے - چنانچہ جو لوگ اس بات کے قایل ہوئے ہیں کہ ہر شے کا اپنے مجرائے طبعی پر قائم رہنا ضرور ہے - اُنھوں نے ان تمام امور معجز کی تاویلات کی ہیں - لیکن درحقیقت سبب اور مسبب کے درمیان لزوم ضروری نہیں یعنے اثبات سبب متضمن اثبات مسبب یا نفی سبب متضمن نفی مسبب نہیں ہے - مثلاً پانی پینے اور پیاس بجھنے یا کھانے اور سیر ہونے یا آگ کے قریب آنے اور جلنے وغیرہ مشاہدات میں دو واقعات کا ایک دوسرے کے مقارن ہونا پایا جاتا ہے - ہم کہتے ہیں - کہ اس مقارنت کی وجہ بجز اس کے اَور کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے

اصل اصول تمام مسائل کا یہ ہے - کہ آدمی اس بات کو جان لے - کہ طبیعت (نیچر) اللہ تعالیٰ کی تسخیر میں ہے - کوئی کام نیچر سے خود بخود صادر

ارادہ سے ایک ایسا سلسلہ مقرر کر دیا ہے کہ اس قسم کے واقعات ہمیشہ ایک دوسرے کے مقارن واقع ہوتے ہیں - یہ وجہ نہیں ہے کہ فی نفسہ ان واقعات میں کوئی ایسی صفت موجود ہے جس کی وجہ سے ضرور ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقارن واقع ہوں - مثلاً آگ سے جلنے کی مثال پر غور کرو - ہم کہتے ہیں کہ قرب آتش اور جلنے میں ضروری لزوم نہیں ہے - یعنے عقل اس بات کو جائز ٹھیراتی ہے کہ کسی شے کے ساتھ آگ کا قرب ہو اور وہ نہ جلے - یا ایک شے جل کر خاکستر ہو جائے اور آگ اُسکے قریب نہ آئی ہو - ہمارے مخالفین کا یہ دعویٰ ہے کہ فاعل احتراق آگ ہے - اور آگ فاعل بالطبع ہے نہ فاعل بالاختیار - یعنی آگ کی ذات مقتضی اس امر کی ہے کہ احتراق اُس سے وقوع میں آئے - ہم کہتے ہیں کہ فاعل احتراق اللہ تعالےٰ ہے بواسطہ ملایکہ یا بغیر واسطہ ملایکہ - کیونکہ آگ بذات خود بے جان شے ہے - ہم اپنے مخالفین سے سوال کرتے ہیں کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ فاعل احتراق آگ ہے؟ اس کا جواب غالباً وہ یہ دیں گے کہ یہ امر مشاہدہ عینی سے ثابت ہے لیکن مشاہدہ سے تو صرف اس قدر ثابت ہے کہ بوقت قرب آتش احتراق وقوع میں آتا ہے - لیکن یہ ثابت نہیں کہ بوجہ قرب آتش احتراق وقوع میں آتا ہے - یعنے یہ ثابت نہیں کہ آگ کا قرب علت احتراق ہے - علیٰ ہذا القیاس کسی کو اختلاف نہیں کہ نطفہ حیوان میں روح اور قوت مدرکہ اور حرکت پیدا کرنے کا فاعل اللہ تعالےٰ ہے - باپ فاعل حیات و بینائی و شنوائی و دیگر قوئے مدرکہ کا نہیں سمجھا جاتا -

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

ایفا اس باب میں اُن سے نہ ہوسکا - اسی واسطے اُن میں اِن مباحث

بقیہ حاشیہ

(۲) فعل اعتراق ارادہ الٰہی سے علےٰ سبیل الاختیار صادر ہوتا ہے +

(۳) ممکن ہے کہ عالم میں خفی علل و اسباب موجود ہوں اور اسباب متعارفہ کا لزوم محض اتفاقی ہو +

(۴) بہت سے امور ممکن الوقوع کو اللہ تعالیٰ وقوع میں نہیں لاتا - اور اس عادت الٰہی کے موافق انسان میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے امور ممکن الوقوع کے عدم وجود کا علم راسخ کر دیا ہے اور وہ علم ذہن سے منفک نہیں ہوسکتا +

(۵) سبب کی صفت موثرہ میں تغیر کر دینے سے سبب اور مسبب میں افتراق ممکن ہے +

اقول - علم طبعی و دیگر علوم شہودیہ سے جو زمانہ حال میں اعلےٰ درجہ کی تحقیق پر پہونچ گئے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات ارضی و سماوی کا انتظام نہایت مضبوط اور مستحکم قوانین سے کر رکھا ہے - اور ہر شے کا ظہور اُس نے اپنی بے انتہا حکمت سے ایک وضع خاص پر مقرر کیا ہے - انسان کی طاقت نہیں کہ اُس کی حکمت کی کُنہ معلوم کرسکے - انسان کی عقل کی غایت رسائی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ظہور حوادث کے جو اوضاع خاص مقرر کی ہیں اُن میں سے چند اوضاع معلوم کرلے - اور اُس صانع بیچگون کی قدرت کاملہ نے جو مناسبتیں ملحوظ رکھی ہیں - اُن کو دریافت کرکے اپنی ناچیز عقل کے عجز و قصور کا اعتراف کرے - خالق کائنات نے مختلف حصہ عالم یعنے جمادات و نباتات و حیوانات اور کائنات جو میں باہم

میں بہت اختلاف ہوگیا - حقیقت میں ارسطو نے مذہب فلاسفہ کو

ایسی مناسبتیں رکھی ہیں جس سے انسان معلوم کریگا کہ اس کائنات کا خالق ایک خدا وحدہ لاشریک ہے - پھر جن اوضاع پر اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو خلق کیا ہے اور جو جو مناسبتیں باہم اُن میں رکھی ہیں اُن کو ایسا مستحکم بنایا کہ جبتک نظام عالم قائم ہے اُن میں تغیر ممکن نہیں ہے - اور انسان کے ذہن میں اپنی قدرت سے اُن کے غیر متغیر ہونے کا یقین فطرتاً پیدا کر دیا ہے تاکہ اُس احسن الخالقین کی مخلوق اُن مناسبات سے فایدہ تمام اُٹھاوے - اور خدا کی نعمت کی شکرگذار ہو - ان موضوع خاص کو جن پر اشیاء خلق کی گئی ہیں - اور ان کے باہمی تعلقات کو قوانین قدرت سے تعبیر کیا جاتا ہے - قوانین قدرت کا یقین دو اصول فطری پر مبنی ہے - اصول اوّل یہ ہے کہ ہر نئی شے کے لئے کوئی نہ کوئی علت ہونی ضرور ہے - اصول دوم یہ ہے کہ اگر کسی شرط یا شرایط کے جمع ہونے یا کسی مانع یا موانع کے رفع ہونے سے کسی وقت کوئی واقعہ ظہور میں آئے تو اگر وہی شرط یا شرایط پھر کسی وقت جمع ہوں گی یا وہی مانع یا موانع رفع ہوں گے تو وہی واقعہ پھر ظہور میں آوے گا - یعنے حالات مشابہ میں مشابہ نتیجہ پیدا ہوگا - یہ ہردو اصول انسان کی سرشت میں داخل ہیں - گویا روح انسانی ان اصول کے علم کو اپنے ہمراہ لیکر آتی ہے - اور اکتساب کو اُس میں دخل نہیں ہوتا - مگر یاد رہے کہ ہمارا یہ منشاء نہیں ہے کہ قوانین قدرت بذریعہ اکتساب حاصل نہیں کئے جاتے - بلکہ قوانین قدرت کے دریافت کرنے کا بجز تجربہ و استقراء یعنے اکتساب کے اور کوئی طریقہ نہیں ہے - ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کسی حالات خاص میں ایک واقعہ کا

مذہب اسلام کے بہت قریب قریب پہونچا دیا ہے جیساکہ فاریابی و

وقوع میں آتا دیکھکر پھر ویسے ہی حالت میں اُس واقعہ کے وقوع کا منتظر و متوقع
رہنا محض فطری امر ہے - کیونکہ جس زمانہ سے انسان سمجھنے بوجھنے کے قابل ہوتا
ہے وہ اس سے پہلے بھی اپنے آپ میں اس یقین کو موجود پاتا ہے چھوٹے بچے
کو دیکھو کہ اگر وہ آگ کی چنگاری سے ایک مرتبہ جل جائے تو وہ دوسری مرتبہ
چنگاری سے فوراً ڈریگا - یا اگر اُس کو ایک شخص سے کسی قسم کی تکلیف پہونچی
ہے تو وہ ہمیشہ اُس شخص سے خایف رہے گا - ہرایک شے کی علت کی جستجو
میں رہنے اور یکساں حالات میں ایک ہی علت سے ایک ہی قسم کے معلول کے
متوقع رہنے کا خیال ہر ملک اور ہر زمانہ کے انسان میں پایا جاتا ہے - مختلف قسم
کے اوہام مثلاً نیک و بد شگون - یا سعد و نحس اوقات - و تعبیرات خواب وغیرہ خیالات
باطلہ کے اصل بھی عموماً یہی اصول ہیں - کیونکہ جب دو واقعات مقارن واقع ہوتے
ہیں - تو انسان بالطبع اُن میں تعلق دریافت کیا چاہتا ہے - اور اکثر غلطی سے اُن کی
معیت اتفاقی کو نسبت علیت پر محمول کر لیتا ہے - لیکن جب انسان اس اصول
فطری پر احتیاط سے کاربند ہوتا ہے تو وہ صحیح قوانین قدرت تک پہ لے جاتا ہے
مختلف اشخاص کے تجربوں کا انجام کار متحد ہو جانا - پھر اس جماعت کے تجربہ
متفقہ کا ایک دوسری جماعت کے تجربہ متفقہ سے متحد ہونا - پھر ایک ملک کے مجموعی
تجربہ کا دوسرے ملک کے مجموعی تجربہ کے مطابق پایا جانا اور پھر ایک زمانہ کے
معلومات کا ازمنہ ماضیہ کے معلومات کے عین موافق نکلنا اُن قوانین کی صحت کی
نسبت تیقن کامل پیدا کر دیتا ہے - پھر جب اُس تجربہ کی بنا پر زمانہ آیندہ کی

[illegible]

ابن سینا نے بیان کیا ہے - لیکن جن مسائل میں اُنھوں

پیشین گوئیاں ہونے لگتی ہیں اور وہ بالکل صحیح نکلتی ہیں - تو اُن قوانین قدرت کے یقینی ہونے کی نسبت کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہتا ۔

ہماری اوپر کی تقریر سے واضح ہوگا کہ اس یقین کی بنیاد کہ قوانین قدرت میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا ہے اُن دو اصولوں پر ہے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے - اس یقین میں اس امر کو کچھ دخل نہیں کہ کسی معلول کی علت اصلی وہ واقعہ ہے جو ہمیشہ اُس معلول کے مقارن وقوع میں آتا ہے - بلکہ اُس کی علت ارادہ الٰہی ہے - یا کوئی اَور نامعلوم علت ہے - پس اب اُسی آگ کی مثال پر غور کرو - اگر ایک حالت میں آگ سے روئی کا جلنا دیکھا گیا ہے تو ویسی ہی حالت میں ویسی ہی روئی ضرور جلے گی خواہ فاعل احتراق آگ ہو - خواہ اللہ تعالیٰ بواسطہ ملائکہ یا بلا واسطہ ملائکہ ہو - ہمارا یہ ہرگز دعویٰ نہیں کہ آگ میں اور احتراق میں فی نفسہ کوئی ایسی صفت موجود ہے کہ اُس کی وجہ سے آگ سے احتراق اور احتراق سے آگ جدا نہیں ہو سکتی - بلکہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو پانی سے احتراق کا کام لیا کرتا - لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں یہ یقین پیدا کرکے کہ فلاں واقعات ممکن الوقوع وقوع میں نہیں آئیں گے خود اس بات کا التزام فرمایا ہے کہ واقعات نفس الامری کے طریق ظہور کو اُسی وضع خاص پر جاری رکھے - اور جب تک خدا تعالیٰ کو یہ قوانین قدرت قائم رکھنے منظور ہیں تب تک ہمارے ذہنوں میں یہ اذعان بھی قائم رہے گا - بے شک خدا تعالیٰ ہر امر ممکن پر قادر ہے - اور اگر وہ چاہے تو ان قوانین قدرت کو توڑ پھوڑ کر اَور قوانین جاری کرے - اور اُن قوانین کے مطابق ہم میں دوسری

نے غلطی کھائی ہے وہ کل بیس[۲۰] مسائل ہیں - ازانجملہ تین
قسم کا اذعان پیدا کردے - فان اللہ علی کل شیء قدیر +

اس اذعان کا وجود خود امام صاحب نے تسلیم کیا ہے اور قوانین قدرت کو قابل تغیر ماننے سے عدم وثوق واجبات ضروریہ کا جو الزام اُن پر عاید ہوتا ہے اُس کے جواب میں اُس اذعان کو پیش کیا ہے - جب امام صاحب نے اس اذعان کو تسلیم کرلیا - اور یہ بھی مان لیا کہ وہ اذعان یا علم ہم سے منفک نہیں ہو سکتا - تو اب ہمارا یہ سوال ہے کہ آیا یہ علم یا اذعان درحقیقت غلط ہے یا صحیح؟ اگر صحیح ہے یعنے کوئی نظیر ایسی نہیں مل سکتی جن میں قوانین قدرت میں تخلف ہوا ہو - تو ہمارا مدعا ثابت ہے - اگر وہ اذعان غلط ہے یعنے بعض زمانہ میں ایسے نظایر پائے جاتے ہیں جن میں وہ قوانین ٹوٹے تو خداوند تعالیٰ کے تمام کارخانۂ قدرت کو معاذ اللہ دھوکے کی ٹٹی ٹھیرانا پڑے گا - سُبحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ - کیا کفالت ہے اس بات کی کہ ہمارے ادراکات بحالت صحت مزاج و سلامت طبع ہمیں دھوکا نہیں دیتے ہیں؟ کس طرح اطمینان ہو سکتا ہے کہ ہماری آنکھیں اپنی بینائی میں اور کان شنوائی میں اور زبان ذائقہ میں اور دیگر حواس اپنے اپنے مدرکات میں ہمیں دھوکا نہیں دیتے؟ معاذ اللہ اللہ کی مثال اُس بقال کی مانند ٹھیرے گی جس کے ایک جھوٹے باٹ سے اُس کے تمام باٹوں پر جھوٹے ہونے کا احتمال ہوتا ہے - پس امام صاحب کے نتیجہ دوم کے باب میں ہم صرف اسی قدر کہنا چاہتے ہیں - کہ اگر فعل احتراق حسب قول امام صاحب ارادہ الٰہی سے علی سبیل الاختیار صادر ہوتا ہے تو بھی ہمارا مطلب فوت نہیں ہوتا - کیونکہ ارادہ الٰہی نے علی سبیل الاختیار احتراق

بقیہ حاشیہ

مسائل تو ایسے ہیں جن کے سبب سے اُن کی تکفیر واجب

بقیہ حاشیہ

کو ایک وضع خاص پر وقوع میں لانے کا التزام کیا ہوا ہے - یعنے اللہ تعالےٰ کو
کسی نے اُس التزام پر مجبور نہیں کیا - بلکہ بوجہ مستجمع جمیع کمالات ہونے کے کسی
صفت نقص کا ظہور اُس کی ذات سے ناممکن ہے - اس لئے خُلف وعدہ بھی خواہ
وہ قولی ہو یا فعلی جو انسان کے لئے بھی موجب زوالت نفس ہے اُس خالق جل شانہٗ
کی شان کبریائی کے کب شایاں ہو سکتا ہے +

دوم یہ امر کہ عالم میں خفی علل و اسباب موجود ہیں - سو ایسے علل و اسباب کا
موجود ہونا بھی ہمارے مطلب کے منافی نہیں ہے - بلکہ اُس کا موید ہے - کیونکہ
اگر اسباب متعارفہ کا لزوم محض اتفاقی ہے - اور وُہی خفی علل و اسباب اصلی علل
و اسباب واقعات زیر بحث کے ہیں تو اس صورت میں اُس اتفاقی لزوم کی بجائے
اُن خفی علل اور واقعات زیر بحث میں لزوم پایا جائے گا - جس کا نتیجہ صرف یہ نکلا
کہ سبب اور ایک امر میں جو غلطی سے سبب سمجھا جاتا تھا افتراق ثابت ہو کر
اُس کی بجائے مسبب اور اُس کے اصلی سبب میں خود امام صاحب کے قول
کے بموجب لزوم ضروری ثابت ہو گیا +

سب سے اخیر صورت افتراق سبب و مسبب کی امام صاحب کے نزدیک یہ
ہے کہ سبب میں صفت موثرہ متغیر ہو جائے - یہ آخری آڑ ہے جو امام صاحب
نے اُن الزامات کی بوچھاڑ سے بچنے کے لئے ڈھونڈی ہے جو انکار لزوم بین السبب
والمسبب سے پیدا ہوتے ہیں - یہ جواب گو نہ اعتراف ہے دبی زبان سے اس
بات کا کہ سبب اور مسبب کا رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا - اصل منشأ اس جواب

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اس توجیہ پر ہمارے دو اعتراض ہیں +

اعتراض اوّل - جس مشکل کے حل کرنے کے واسطے یہ توجیہ گھڑی گئی ہے وہ مشکل اس توجیہ سے حل نہیں ہوتی - بلکہ صرف ایک قدم پیچھے سرک جاتی ہے - آگ کی صفت کا متغیر ہونا صرف اس نظر سے فرض کیا گیا تھا کہ اس الزام سے بچاؤ ہو کہ آگ کا اپنی حالت اصلی پر رہ کر بلا صدور احتراق رہنا کس طرح ممکن ہے - لیکن آگ کا سلسلہ جو احتراق پر ختم ہوتا ہے بے انتہا علل سے مربوط ہے - اور یہ ممکن نہیں کہ اس زنجیر میں سے کوئی کڑی نکال دیجائے اور تمام سلسلہ درہم برہم نہ ہو جاوے - پس جس طرح امام صاحب کو یہ امر مستبعد معلوم ہوا کہ آگ حالت اصلی پر رہکر بلا صدور احتراق رہے - بعینہ اسی طرح یہ بھی مستبعد معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ وہ تمام اسباب جو اصلی صفت آتش کے پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں موجود ہوں - اور باوجود اس کے وہ اصلی صفت پیدا نہ ہو - اگر یہ کہا جائے کہ اصلی صفت کے اسباب میں بھی تغیر واقع ہوگیا ہوگا تو اسی قسم کا اعتراض اُن اسباب کے علل کی نسبت پیدا ہوگا - اگر اس سلسلہ علل کے کسی مرحلہ پر کسی مسبب کی نسبت یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مسبب محض اپنے ارادہ سے سلسلہ علیت کو توڑکر پیدا کیا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ بجائے اس قدر فضول ہیر پھیر کے ابتداءً ہی صاف صاف کہا جائے کہ آگ حالت اصلی پر تھی - مگر ارادہ الٰہی یوں مقتضی ہوا کہ اُس سے احتراق کا صدور نہ ہو +

جمیع اہل اسلام کے مخالف ہیں - ازانجملہ اُن کا یہ قول ہے - کہ

بقیہ حاشیہ

ما جاء بہ ایمان لاتے ہیں جزا و سزا کے قایل ہیں لیکن اُس کے بعض کیفیات میں مختلف راۓ رکھتے ہیں کافر کا لفظ استعمال ہونے دوں - میری روح اس خیال سے کانپتی ہے - پس یہ چند سطور ناچیز کوشش ہے اس امر کے اظہار کی کہ جن اہل قبلہ کو بعض علماء دین کے سخت فتووں نے خدا کی رحمت سے مایوس کردیا ہے - اور قریب اس کے پہونچا دیا ہے کہ وہ اللہ اور رسول کا بھی انکار کریں - اُن کو جب تک کہ وہ اللہ اور رسول اور یوم آخرۃ پر ایمان رکھتے ہیں امت رحمۃ للعٰلمین کہلانے کا حق حاصل ہے +

زمانہ حال کی علمی تحقیقاتوں سے روح کی حقیقت کی نسبت کچھ زیادہ انکشاف نہیں ہوا - الا جسم کے بعض ایسے خواص جدید کے دریافت ہونے سے جن پر قدیم محققین کی تعریف جسم کلّی طور پر صادق نہیں آسکتی بعض حکماء زمانہ حال کو یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ روح بھی کوئی مادی شے ہے اور اس سے دہریوں کو مذہب پر حملہ کرنے کی بہت جُرأت ہوئی ہے - فخر الاسلام **سید احمد خاں** صاحب نے **تفسیر القرآن** میں اس شُبہ کی نسبت اشارہ فرمایا ہے - چنانچہ اُنہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے ہم اُس کو بجنسہٖ نقل کرتے ہیں - وہ فرماتے ہیں کہ جبکہ ہم روح کو ایک جوہر تسلیم کرتے ہیں تو اُس کے مادی یا غیر مادی ہونے پر بحث پیش آتی ہے - مگر جبکہ ہم کو اُس کی ماہیت کا جاننا ناممکن ہے تو درحقیقت یہ قرار دینا بھی کہ وہ مادی ہے یا غیر مادی ناممکن ہے - دنیا میں بہت سی چیزیں موجود ہیں جو باوجود اس کے کہ وہ محسوس بھی ہوتی ہیں اور اُن کے مادی یا غیر مادی ہونے کی

[illegible]

[illegible]

یہ تو انھوں نے سچ کہا کہ وہاں عذاب و ثواب روحانی ہوں گے۔ لیکن

بدن کی موت روح و نسمہ کے لئے نشاۃ ثانی ہوتا ہے۔ انتہی ملخصاً ❊

شاہ صاحب کی اوپر کی تقریر سے ظاہر ہے کہ انسان میں ظاہری گوشت پوست کے سوا ایک اَور جسم لطیف بھی ہے جو واسطہ ہے مابین روح حقیقی اور کالبد خاکی کے۔ اور وہ جسم لطیف بعد موت علی حالہ باقی رہتا ہے۔ اور روح اُس سے متعلق رہتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے کہ موت کے وقت انسان کا نفس ناطقہ مادہ کو بالکل چھوڑ دیتا ہے وہ جھک مارتا ہے۔ روح کے لئے دو قسم کا مادہ ہے۔ ایک سے روح کا بالذات تعلق ہے۔ اور دوسرے بالعرض۔ جس مادہ سے بالذات تعلق ہے وہ نسمہ ہے۔ اور جس مادہ سے بالعرض تعلق ہے وہ جسم خاکی ہے۔ جب آدمی مر جاتا ہے تو مادہ خاکی کا زائل ہو جانا اُسے کچھ نقصان نہیں پہونچاتا۔ بلکہ روح انسانی بدستور مادہ نسمہ میں حلول کئے رہتی ہے ❊

> فمن قال بان النفس النطقية المخصوصة بالانسان عند الموت ترفض المادة مطلقا فقد خرص۔ نعم لها مادة بالذات وهي النسمة ومادة بالعرض و هو جسم الارضي۔ فاذا مات الانسان لم يضر نفسه زوال المادة الارضية و بقيت حالته بمادة النسمة

فخر الاسلام سید صاحب اس عام قول کو کہ جب خدا تعالیٰ حشر کرنا چاہیگا تو ہر ایک روح کو ایک ایک جسم عطا فرمائیگا۔ تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کے نزدیک جن اجساد کے حشر کرنے کا اشارہ قرآن مجید میں پایا جاتا ہے اُن سے وُہی اجسام لطیف مراد ہیں جو ارواح ابدان انسانی سے مفارق ہونے کے بعد عالم قدس میں لیکر آتے

بقیہ حاشیہ ۱۶

یہ جھوٹ کہا کہ جسمانی نہیں ہوں گے ۔ اور ایسی باتیں بیان کرکے

ہیں۔ ارواح کا دنیا سے اجسام لطیف کے ساتھ متعلق ہوکر عالم قدس میں پہونچنا ہی
اُن کا حشر ہے ۔ سید صاحب کے قول کی تائید میں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید
کی کسی آیت سے موت کے بعد روح انسانی کا دو جسموں سے متعلق ہونا ثابت نہیں
ہوتا بلکہ صرف ایک جسم کا ذکر ہے ۔ سو وُہی ایک جسم لطیف جو روح اپنے ہمراہ لیکر
عالم قدس میں داخل ہوتی ہے اُس کا نشاۃ ثانی ہے ۔ اس کی تائید میں وہ احادیث
بھی بیان کی جا سکتی ہیں جو عذاب قبر کے باب میں وارد ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ خاک
کا جسم جس کو کفن میں لپیٹ کر گور میں دفن کرتے ہیں ۔ یا آگ میں جلاتے ہیں
عذاب کے لئے نہیں اُٹھایا جاتا ۔ بلکہ روح انسانی پر جو کچھ گذرتا ہے وہ اُسی حالت
میں گذرتا ہے جبکہ وہ جسم لطیف سے جس کو ہماری ظاہری آنکھیں دیکھ نہیں
سکتیں متعلق ہوتا ہے ۔

آخرت کی نسبت جو الفاظ حشر و بعث و نشات ثانی وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں
اُن سے اس امر کا اظہار مقصود نہیں ہے ۔ کہ مرنے کے بعد از سر نو انسان کا پُتلا
بنایا جاتا ہے ۔ اور زندہ کرکے اُٹھایا جاتا ہے ۔ بلکہ اس دنیا میں مرنا ہی عالم قدس میں
زندہ ہوکر اُٹھنا ہے ۔ خدا تعالیٰ نے ماں کے پیٹ سے بچے کے پیدا ہونے پر بھی
نشات آخر استعمال فرمایا ہے ۔ حالانکہ قبل از ولادت اُس کی خلقت انسانی جو اس
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا دنیا میں رہنے کے قابل ہو بہمہ نوع مکمل ہو چکی
الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ہوتی ہے ۔ اور صرف ماں کے پیٹ سے علیحدہ
ہونا باقی ہوتا ہے ۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس آیت میں بھی خلقا آخر سے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۰- باری تعالیٰ عالم بالجزئیات نہیں ہے	ازانجملہ (مسائل ثلثہ) اُن کا یہ قول ہے

بقیہ حاشیہ

فوراً اُس پر کیوں کاربند ہوتا ہے - وہ قطعی ثبوت اس امر کا کیوں نہیں حاصل
کرتا - کہ آیا جو اطلاع اُس کو دی گئی ہے - وہ درحقیقت درست ہے ؟ یا اگر اُس کو
کوئی شہادت ملی ہے - تو وہ اُس شہادت پر اُن قواعد منطق استقرائی کو کیوں نہیں
جاری کرتا - جن سے وہ مذہبی صداقتوں کو گریلا کرتا ہے - اصل بات یہ ہے کہ شہادت
سماعی عمدہ سے عمدہ کیوں نہ ہو صرف یقین عادی پیدا کر سکتی ہے - اُس سے یقین قطعی
پیدا نہیں ہوسکتا - پس جس امر کی نسبت عقل ساکت ہو اور شہادت سماعی سے
زیادہ ثبوت نہ مل سکتا ہو - تو بالطبع انسان کا رجحان اس امر کی طرف ہوتا ہے
کہ اگر اُس امر پر کاربند ہونا یا نہ ہونا اُس کے حق میں کوئی نتیجہ مہتم بالشان پیدا
کرے گا - تو وہ اس پہلو کو اختیار کرتا ہے جس میں وہ جلب منفعت یا دفع مضرت
تصور کرتا ہے - کیونکہ اگر فی الواقع یہ پہلو صحیح خیال کی بناء پر اختیار کیا گیا ہے تو
فہوالمراد - اگر وہ پہلو کسی غلط فہمی پر اختیار کیا گیا ہے تو بھی کم از کم اُس کو دل
کی چبھن سے جو اُس کو ہر وقت ستائے رکھتی نجات مل جاتی ہے - اور کوئی ضرر
عائد نہیں ہوتا - نہ عقلاء کے نزدیک وہ قابل ملامت ٹھیرتا ہے - کہ تو نے اپنے نفس
کے فائدہ کے لئے یا خطرہ سے بچنے کے لئے اس قدر حد سے زیادہ کیوں احتیاط کی
پس اے عزیز جب تو اپنی اُنگلی کی تکلیف کے خوف سے اور اس بدن کو جو چند
روز میں خاک میں ملنے والا ہے - اور کیڑوں مکوڑوں کا طعمہ ہونے والا ہے - بچانے
کی غرض سے اس قدر احتیاط کرتا ہے - کہ تمام قوانین عقلی کو بالائے طاق رکھ
دیتا ہے اور سب سے احفظ پہلو اختیار کر لیتا ہے - تو عذاب حشر کے باب میں

مخوایں

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

+ [illegible]
+ [illegible]
+ [illegible]
+ [illegible]

- [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۳- عالم قدیم ہے

ازانجملہ فلاسفہ کا یہ قول ہے کہ عالم قدیم اور ازلی ہے

نفی علم احساسی ہو - اس صورت میں یہ بحث ایک لفظی نزاع رہجاتی ہے - منشاء غلطی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو اپنے علم پر قیاس کیا جاتا ہے - اور جو امور انسان اپنے علم کی نسبت ناممکن سمجھتا ہے اُن کو اُس کے علم کی نسبت بھی ناممکن سمجھتا ہے - لیکن انسان کا علم دو ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے - ایک مجرد عقل سے - اور دوسرے حواس سے - ہمارے جتنے علم مجرد عقل سے حاصل ہوتے ہیں وہ کُلّی علم کہلاتے ہیں - اور جو بذریعہ حواس حاصل ہوتے ہیں وہ جزئی کہلاتے ہیں - صرف بذریعہ عقل بلا استمداد حواس ہم کسی طرح جزئیات کا علم حاصل نہیں کرسکتے - مگر علم باری تعالیٰ میں اس قسم کی تفریق نہیں ہے - جو علوم ہم کو عقل یا حواس کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اُنکو وہ اپنی ذات سے معلوم کرتا ہے - ہم جو اُس کو سمیع و بصیر کہتے ہیں اُس کے یہ معنی نہیں ہیں - کہ جس طرح ہمارے مدرکات سمع و مدرکات بصر مختلف چیزیں ہیں اسی طرح اُس میں سمع و بصر دو مختلف قوتیں ہیں - نہیں - بلکہ سمیع و بصیر کے یہ معنے ہیں - کہ وہ ہر چیز کو یعنے جن کے جاننے والے کو ہم دنیا میں سمیع کہتے ہیں اور نیز اُن اشیاء کو جن کے جاننے والے کو ہم بصیر کہتے ہیں جانتا ہے - ورنہ اُس کے علم میں کوئی تقسیم اس قسم کی نہیں ہے +

علیٰ ہذاالقیاس زمانہ کی تقسیم ماضی و حال و استقبال میں محض انسانی تقسیم ہے - خدا کے نزدیک ماضی و حال و استقبال ازل و ابد سب یکساں ہے - پس جائز ہے کہ ہم اُس کے علم کو اپنے محدود ناچیز جزئی علم سے تمیز کرنے کے لئے علم کلی سے تعبیر کریں - جس کے صرف یہ معنے ہوں گے کہ اُس کے علم پر اطلاق

اہل اسلام میں ایک شخص بھی ایسا نہیں گذرا جس نے ذرہ بھر

ماضی و حال و استقبال نہیں ہو سکتا - بلکہ وہ سب جزئیات کو کلی طور پر جانتا ہے - لا یعزب عن علمہ مثقال ذرۃ فی السمٰوات ولا فی الارض - ماحصل اس تمام بحث کا یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے ہر علم کو اصطلاحاً علم کلی کہتے ہیں اور اس کے لئے لفظ جزئی کا استعمال نہیں کرتے پس جو لوگ کہتے ہیں کہ باریتعالےٰ کو کلیات کا علم ہے جزئیات کا علم نہیں ہے - اس سے اگر اُن کی مراد وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی تو یہ عقیدہ عین اسلام کے مطابق ہے اور اُس سے اعلےٰ درجہ کی تنزیہہ جناب باری تعالیٰ کی ظاہر ہوتی ہے - اور کچھ شک نہیں کہ امام صاحب کا حکم تکفیر ایسے اعتقاد پر اطلاق پذیر نہیں ہے + (مترجم)

مسئلہ ثالث - امام صاحب نے کتاب **التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ** میں مسئلہ قدم عالم کو منجملہ اُن مسائل کے نہیں لکھا جن کے سبب تکفیر واجب ہے - اس لئے اس مسئلہ پر ہم کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے +

جو لوگ مادہ میں خواص واجبیہ تسلیم کرکے اور اُس کو اپنے وجود میں کسی واجب الوجود کا محتاج نہ پاکر قدم مادہ کے قائل ہوئے ہیں - اُن کے کافر ہونے میں تو کچھ کلام نہیں ہوسکتا - لیکن سوال اُن لوگوں کی نسبت ہے جو خدا پر بجمیع صفاتہ اور رسول پر بجمیع ماجاءبہ ایمان لائے ہیں - اور خدا کی ذات ہی کو محتاج الیہ و علۃ العلل کل کائنات کا سمجھتے ہیں لیکن وہ یہ کہتے ہیں - کہ چونکہ خدا تعالےٰ مع اپنی صفات کے جن میں ایک صفت ارادہ بھی ہے علۃ تامہ اس عالم کا ہے اور تخلف علۃ کا معلول سے جائز نہیں ہے - اس لئے مادہ بھی قدیم ہے - معہذا وہ مادہ کو قدیم

۲- علم اخلاق

۲- علمِ اخلاق - اس علم میں حاصل کلام فلاسفہ کا یہ ہے کہ اُنھوں نے صفات و اخلاق نفس کا حصر کیا ہے اور اُنکی اجناس و انواع اور اُن کے معالجات و مجاہدات کی کیفیت کو بیان کیا ہے - اس

اس علم کا ماخذ کلام صوفیہ ہے

علم کو فلاسفہ نے کلام صوفیہ سے اخذ کیا ہے جو لذاتِ دنیاوی سے رُوگردانی کرکے یادِ الٰہی میں ہمیشہ مستغرق رہنے والے - ہوا و حرص سے لڑنے والے - اور راہِ خدا پر چلنے والے ہیں - صوفیہ کرام کو مجاہدات کرتے کرتے بعض اخلاق نفس اور اُن کے عیوب اور اُنکے آفاتِ اعمال کا انکشاف ہوا ہے - اور اُنھوں نے اس کا بیان کیا ہے فلاسفہ نے ان امور کو اُن سے اخذ کرکے اپنے کلام میں ملا لیا - تاکہ اُس کے وسیلہ سے اور اُس کی بدولت زیب و زینت پاکر اُنکے خیالات باطل کی ترویج ہو *

ان فلاسفہ کے زمانہ میں بلکہ ہر زمانہ میں خدا پرست بزرگ بھی ہوتے رہے ہیں - خداوند تعالیٰ نے دنیا کو کبھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں رکھا ہے - یہ لوگ زمین کی اوتاد ہیں - اور اُن کی برکت سے اہل زمین پر رحمت نازل ہوتی ہے - جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا - کہ اُن کی برکت سے ہی اہل زمین پر بارش ہوتی ہے اور اُن کی برکت سے ہی رزق ملتا ہے - اور اصحاب کہف ایسے ہی لوگوں میں تھے *

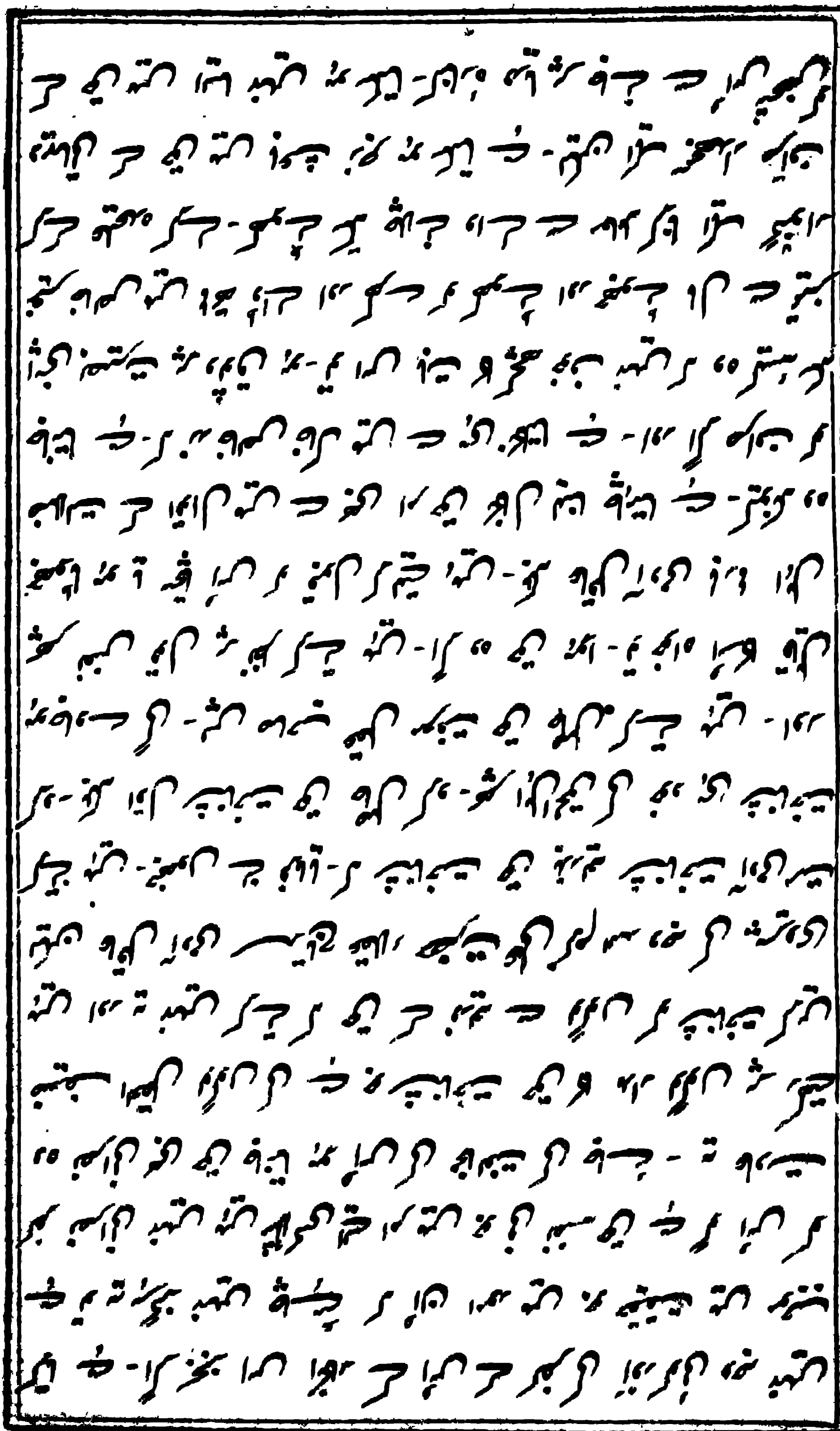
زمانہ سلف میں اِن فلاسفہ کا مذہب وُہی تھا جس پر قرآن مجید

استنزاج کلام صوفیہ و فلاسفہ سے دو آفتیں پیدا ہوئیں

ناطق ہے - لیکن چونکہ اُنھوں نے کلام نبوت اور
کلام صوفیہ کو اپنی کتابوں میں ملالیا - اس سے دو آفتیں
پیدا ہوئیں - یعنی ایک آفت تو اُس شخص کے حق میں
جس نے مسائل فلسفہ کو قبول کیا - اور دوسری اُس شخص کے حق میں جنھے
مسائل مذکورہ کی تردید کی - جو آفت کہ تردید کرنے والوں کے حق میں پیدا

آفت اوّل - ہر قول فلاسفہ سے بلا امتیاز حق و باطل انکار کیا گیا

ہوئی - وہ ایک آفت عظیم تھی - کیونکہ ضعیف العقل
لوگوں میں سے ایک گروہ نے یہ گمان کیا کہ چونکہ یہ
کلام اُن کی کتابوں میں مندرج اور اُن کی جھُوٹی
باتوں میں مخلوط ہے - اس لئے لازم ہے - کہ اُس سے علیحدگی اختیار
کیجاوے اور اُس کا ذکر تک زبان پر نہیں آنا چاہئے - بلکہ اُس کے
ذکر والے پر عمل منکر کے ارتکاب کا الزام لگایا جاوے - اور اس کی
وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے پہلے یہ کلام نہ سنا تھا - اور سنا تو سب سے
اوّل انھیں فلاسفہ سے سنا - اس لئے اپنے ضُعف عقل سے اُنھوں نے
یہ بھی سمجھا - کہ چونکہ اس کلام کا قائل جھُوٹا ہے اس لئے یہ کلام بھی
باطل ہے - اس کی ایسی مثال ہے - کہ ایک شخص کسی نصرانی سے سنتا
ہے کہ لا اِلٰہ اِلا اللّٰہُ عِیسیٰ رَسُوْلُ اللّٰہ اور اس قول کو بُرا سمجھتا ہے -
اور کہتا ہے کہ یہ تو نصرانی کا قول ہے - اُس سے اتنا نہیں ہوسکتا
کہ ذرا ٹھیرے اور تامل کرے کہ نصرانی جو کافر ہے تو کیا بوجہ اسی
قول کے ہے - یا بلحاظ اس بات کے کہ وہ نبوّت محمّد صلعم سے انکار



کوئی تغیر واقع نہیں ہوسکتا - طبیعت کا اُس سے متنفر ہونا جہل عامی پر مبنی ہے - اور منشاء اُس کا یہ ہے - کہ آلۂ حجامت ناپاک خون کے واسطے موضوع ہے - پس جاہل شخص یہ سمجھتا ہے کہ خون شاید آلۂ حجامت میں پڑنے کی وجہ سے ہی ناپاک ہوگیا ہے - اور اتنا نہیں جانتا کہ وجہ ناپاکی کی تو اَور صفت ہے جو خود اُس کی ذات میں ہے - اگر شہد میں وہ صفت موجود نہیں ہے - تو ایک ظرف خاص میں پڑنے سے اُس کو وہ صفت حاصل نہیں ہوسکتی - پس ضرور نہیں کہ اُس ظرف میں آجانے سے شہد ناپاک ہوجاوے - یہ ایک وہم باطل ہے جو اکثر لوگوں کے دلوں پر غالب ہو رہا ہے - جب تم کسی کلام کا ذکر کرو اور اُس کلام کو کسی ایسے شخص کی طرف منسوب کرو جس کی نسبت وہ حسن عقیدت رکھتے ہیں تو وہ لوگ فوراً اُس کلام کو گو وہ باطل ہی کیوں نہ ہو قبول کرلیں گے - لیکن اگر اُس کلام کو ایسے شخص کی طرف منسوب کرو جو اُن کے نزدیک بد اعتقاد ہے تو گو وہ کلام سچا ہی کیوں نہ ہو وہ ہرگز اُس کو قبول نہیں کرنے کے - غرضیکہ اُن کا ہمیشہ یہی وتیرہ ہے - کہ حق کی شناخت بذریعہ قائل کے کرتے ہیں - یہ نہیں کرتے کہ قائل کی شناخت بذریعہ حق کے کریں سو یہ نہایت گمراہی ہے - پس یہ آفت تو وہ ہے کہ جو قبول نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے ۔

آفت دوم یعنے قبول کرنے کی آفت - جو شخص کتب فلاسفہ

خالص بن جائے۔ اسی طرح خالص غیر خالص نہیں بن سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس حق و باطل کے باہم ایک جگہ ہونے سے جس طرح حق کا باطل ہوجانا ممکن نہیں اسی طرح باطل کا حق ہوجانا بھی ممکن نہیں ہے +

فلسفہ کی آفتوں اور دشواریوں کا بس ہم اسی قدر ذکر کرنا چاہتے تھے جو اوپر مذکور ہوا +

مذہب تعلیم[1] اور اُس کی آفات

امام صاحب مذہب اہل تعلیم کی تحقیق شروع کرتے ہیں

جب میں علم فلسفہ سے فراغت پا چکا اور اُس کی تحصیل و تفہیم کر چکا اور جو کچھ اُس میں کھوٹ تھا وہ بھی دریافت کر چکا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ اس علم سے بھی میری

حاشیہ

[1] اھل تعلیم ایک فرقہ ہے اہل بدعت کا جو اپنے تئیں شیعہ کہتے ہیں۔ یہ فرقہ کئی ناموں سے مشہور ہے۔ خراسان میں تعلیمیہ یا اھل تعلیم و ملاحدہ اور عراق میں مزدکیہ و قرامطہ کے نام سے نامزد ہے۔ اس فرقہ کو باطنیہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا بڑا اصول مذہب یہ ہے۔ کہ ہر ظاہر کے لئے باطن ہونا ضرور ہے۔ اور وہ اس اصول کے مطابق شریعت کے جملہ احکام ظاہری کی تاویل کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن کے نزدیک وضو سے مراد متابعت امام اختیار کرنا ہے اور نماز سے بدلیل قولہ تعالیٰ الصّلوۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر رسول مراد ہے۔ اور غسل سے تجدید عہد اور زکوٰۃ سے تزکیہ نفس اور روزہ سے محافظت

پوری پوری غرض حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور عقل کو ایسا استقلال نصیب نہیں کہ جمیع مطالب پر حاوی ہو سکے۔ اور نہ اُس سے ایسا انکشاف حاصل ہوسکتا ہے کہ تمام مشکلات پر سے حجاب اُٹھ جائے۔ چونکہ اہل تعلیم نے غایت درجہ کی شہرت حاصل کی ہوئی ہے اور خلقت میں ان کا یہ دعوے مشہور ہے۔ کہ ہم کو معانی امور کی معرفت امام معصوم قائم بالحق سے حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے میں نے یہ ارادہ کیا کہ مقالات اہل تعلیم کی تفتیش کروں۔ اور دیکھوں کہ اُن کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ میرا یہ ارادہ ہی ہورہا تھا۔ کہ خلیفۂ وقت کی طرف سے ایک حکم تاکیدی پہونچا۔ کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کرو جس سے مذہب اہل تعلیم کی حقیقت کھُل جائے۔ میں اس حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ اور یہ حکم میرے اصلی دلی

خلیفہ وقت کا حکم امام صاحب کے نام

اسرار امام اور زنا سے افشاء اسرار دین مراد ہے ✦

امام غزالیؒ صاحب کے زمانہ میں اس فرقہ کو بہت فروغ حاصل ہوگیا تھا اور حسن صباح نے جو اُن ایام میں اُن کا پیشرو تھا پولٹیکل طاقت پیدا کرکے خلفائے عباسیہ کے دلوں میں بھی اپنا رعب بٹھا دیا تھا ✦

فرقہ باطنیہ نے اپنے مسائل مذہبی میں بہت سے اقوال فلاسفہ ملاکر علوم حکمیہ کے طرز پر کتب مذہبی تصنیف کی تھیں۔ امام غزالیؒ صاحب نے اس فرقہ کی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں۔ چنانچہ اسی کتاب میں آیندہ اس امر کا تفصیل ذکر آئیگا ✦ (مترجم)

✦ یعنے ابوالعباس احمد المستظہر باللہ جو اس وقت خلیفہ تھے ۱۲ ✦

مقصد کے انجام کے لئے ایک اَور تحریک خارجی ہوگئی - پس میں نے اس کام کو اس طرح پر شروع کیا - کہ اہل تعلیم کی کتابوں کو ڈھونڈھنے اور اُن کے اقوال جمع کرنے لگا - میں نے ان لوگوں کے بعض اقوال جدید سنے تھے - جو خاص اس زمانہ کے لوگوں کے خیالات سے پیدا ہوئے ہیں - اور اُن کے علمأ سلف کے طریقِ معہود سے مختلف ہیں - پس میں نے ان اقوال کو جمع کرکے نہایت عمدگی سے مرتب کیا - اور بعد تحقیق کے اُن کا پُورا پُورا جواب تحریر کیا - یہاں تک کہ بعض اہل حق مجھ سے نہایت آشفتہ خاطر ہونے - کہ میں نے اہل تعلیم کے دلایل کی تقریر میں بہت مبالغہ کیا ہے - اور مجھ سے کہنے لگے - کہ اس قسم کی تقریر کرنا گویا اہل تعلیم کے فائدہ کے لئے خود کوشش کرنا ہے - اور اگر تو اس قسم کے شبہات کی خود تحقیق و ترتیب نہ کرتا - تو ان لوگوں میں تو اس قدر ہمت نہ تھی کہ اپنے مذہب کی تائید میں اس قدر تقریر کرسکتے +

امام صاحب سے بعض اہل حق کا رنجیدہ ہونا کہ تردید مخالفین سے اُن کے شبہات کی اشاعت ہوتی ہے

اہل حق کا اس طرح پر آشفتہ خاطر ہونا ایک وجہ سے سچا تھا - کیونکہ جب حارث محاسبی نے مذہب معتزلہ کی تردید میں ایک کتاب تصنیف کی تھی تو احمد حنبل بھی اس بات پر اُن سے آشفتہ خاطر ہوگئے تھے اس پر حارث* محاسبی نے جواب دیا تھا - کہ بدعت کی تردید کرنا فرض

* حارث محاسبی اکابر علماء دین میں سے ہوئے ہیں - حضرت امام احمد حنبل کے ہمعصر تھے علم کلام میں سب سے اول کتاب تصنیف کرنے کی عزت انھیں کو حاصل ہے + ۱۲

ہے۔ احمدؒ نے کہا کہ ہاں یہ سچ ہے۔ پر اوّل تُو نے بدعتیوں کے شبہات بیان کئے ہیں اور پھر اُن کا جواب دیا ہے۔ لیکن یہ اندیشہ کس طرح رفع ہوسکتا ہے۔ کہ شاید اُس شبہ کو کوئی ایسا شخص مطالعہ کرے جو شبہ کو بہ خوبی سمجھ لے۔ لیکن وہ جواب کی طرف متوجہ نہ ہو یا جواب کی طرف متوجہ تو ہو لیکن وہ اُس کو سمجھ نہ سکے۔ احمدؒ نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے۔ لیکن یہ بات اُس قسم کے شبہ کی بابت صحیح ہو سکتی ہے جو مشہور اور شائع نہ ہوا ہو۔ لیکن جب کوئی شبہ شایع ہو جاوے تو اُس کا جواب دینا واجب ہے اور جواب بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اول شبہ کی تقریر کی جائے۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ زبردستی تکلف کرکے کوئی شبہ پیدا نہ کیا جاوے۔ چنانچہ میں نے کوئی شبہ بذریعہ تکلف پیدا نہیں کیا۔ بلکہ یہ شبہات میں نے ایک شخص سے منجملہ اپنے احباب کے سُنے تھے۔ جو اہل تعلیم میں شامل ہوگیا تھا۔ اور اُس نے اُن کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ وہ بیان کرتا تھا کہ اہل تعلیم اُن مصنفوں کی تصنیفات پر جو وہ اہل تعلیم کی رد میں

شبہ مذکورہ بالا کا جواب

حاشیہ

* یہ نہایت معقول جواب تھا۔ اس زمانہ میں بھی ہمارے علماء دین جو نہیں جانتے کہ علوم حکمیہ کے شیوع نے کس درجہ تک لوگوں کے دلوں میں مذہب کی صداقت کی نسبت شبہات پیدا کر دیئے ہیں اسی قسم کے وہمی خطروں کی بناء پر مباحث کلامیہ کی اشاعت کے مخالف ہیں۔ مگر وہ اس مخالفت سے اسلام کو سخت ضرر پہونچاتے ہیں * (مترجم)

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

بقیہ حاشیہ

تیرے مخالف اس میزان میں تجھ سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ تو ہم خمسہ کے یہ نام رکھے ہیں۔ (۱) میزان تعادل اکبر (۲) میزان تعادل اوسط۔ (۳) میزان تعادل اصغر (۴) میزان تلازم (۵) میزان تعاند

میزان اکبر یہ ہے کہ جب کسی شے کی صفت معلوم ہو اور اُس صفت کی نسبت کوئی حکم ثابت ہو تو ضرور ہے کہ موصوف کے لئے وہ حکم ثابت ہو بشرطیکہ صفت مساوی موصوف ہو یا اُس سے عامتر ہو +

میزان اوسط یہ ہے کہ اگر ایک شے سے کسی امر کی نفی کی جائے۔ اور یہی امر کسی اور شے کے لئے ثابت کیا جائے تو شے اول مبائن شے ثانی کے ہوگی +

میزان اصغر یہ ہے اگر دو امر ایک شے پر صادق آئیں تو ضرور ہے کہ ان دونوں امر میں سے کوئی نہ کوئی ایک دوسرے پر صادق آئے +

میزان تلازم یہ ہے کہ وجود ملزوم موجب وجود لازم ہوتا ہے۔ اور نفی لازم موجب نفی ملزم ہوتی ہے۔ اور نفی ملزوم یا وجود لازم سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا +

میزان تعاند یہ ہے کہ اگر کوئی امر صرف دو قسموں میں منحصر ہو تو ضرور ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا ثبوت ہو +

ان موازین خمسہ کے امثلہ اور وہ شرائط جن سے تول میں غلطی نہ ہونے پائے اور اس امر کی توضیح کہ صداقتہائے مذہب کو ان موازین سے کس طرح تولا کرتے ہیں یہ سب امور بتفصیل کتاب القسطاس المستقیم میں درج ہیں + (مترجم)

رحیم

یہ جواب دیتے ہیں - کہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میزان کو سمجھ لے اور پھر اُس میں مخالفت کرے - کیونکہ اس میزان میں نہ تو اہل تعلیم ہی مخالفت کرسکتے ہیں - کیا وجہ کہ میں نے اُس کو قرآن مجید سے استخراج کیا ہے اور قرآن مجید سے ہی میں نے اُس کو سیکھا ہے نہ اہل منطق مخالفت کرسکتے ہیں - کس لئے کہ وہ اُن کی شرائط منطق کے بھی موافق ہے اور اُن کے مخالف نہیں ہے - نہ متکلمین مخالفت کرسکتے ہیں کیونکہ وہ میزان اُن کے دلایل معقولات کے بھی موافق ہے اور مسائل علم کلام میں اس میزان کے ذریعہ سے امر حق ظاہر کیا جاتا ہے ٭

اب اگر معترض یہ اعتراض کرے - کہ اگر تیرے ہاتھ میں ایسی میزان ہے تو تُو خلقت سے اختلاف کیوں نہیں رفع کردیتا؟ تو میں جواب میں یہ کہوں گا - کہ اگر وہ لوگ کان دھرکر میری بات سُنیں تو ضرور اختلاف باہمی رفع ہوجاوے - ہم نے کتاب قسطاس مستقیم میں طریق رفع اختلاف بیان کردیا ہے - اُسپر غور کرنا چاہئے - تاکہ تجھ کو معلوم ہو - کہ وہ میزان حق ہے اور اُس سے قطعاً اختلاف دور ہوسکتا ہے - بشرطیکہ لوگ اُس میزان کو توجہ سے سنیں - لیکن سب لوگ اُس کو توجہ سے نہیں سُنتے - چنانچہ ایک جماعت اشخاص نے میری بات توجہ سے سنی - سو اُن کا اختلاف باہمی رفع ہوگیا - تیرا امام جو یہ چاہتا ہے - کہ باوجود عدم توجہی خلق اُن کے اختلافات کو دور کردے - کیا وجہ ہے کہ اب تک

اُس نے اُس اختلاف کو رفع نہیں کیا۔ اور کیا وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی جو پیشوائے آئمہ ہیں اُس اختلاف کو رفع نہیں کیا۔ کیا تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ لوگوں کو زبردستی اپنی بات کے سُننے پر متوجہ کرسکتے ہیں؟ اگر یہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ اب تک ان کو مجبور نہیں کیا؟ اور کس دن کے لئے یہ رکھا ہے؟ اور اُن کی دعوت کرنے سے بجز کثرت اختلاف و کثرت مخالفین اَور کیا حاصل ہوا؟ ہاں صورت اختلاف میں تو صرف ایسے ضرر کا اندیشہ تھا جسکا انجام یہ نہیں ہوتا کہ انسان قتل ہوں اور شہر برباد ہوں اور بچے یتیم ہوں اور راستہ لوٹے جائیں اور مال کی چوری کیجائے۔ لیکن دنیا میں تمہارے رفع اختلاف کی برکت سے ایسے حادثہ واقع ہوئے ہیں جو پہلے کبھی نہیں سُنے گئے تھے ❖

اگر معترض یہ کہے کہ تیرا دعویٰ یہ ہے کہ تو خلقت میں سے اختلاف دور کردے گا۔ لیکن جو شخص مذاہب متناقض اور اختلافات متقابل میں متحیر ہو تو اُس پر یہ واجب نہ ہوگا کہ تیرے کلام کو توجہ سے سُنے اور تیرے مخالف کے کلام کو نہ سُنے۔ حالانکہ تیرے بہت سے دشمن مخالف ہوں گے۔ اور تجھ میں اور اُن میں کچھ فرق نہیں ہے۔ یہ اہل تعلیم کا دوسرا سوال ہے۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اول تو یہ سوال اُلٹ کر تم پر ہی وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ جب ایسے

۱۵ اس اعتراض کے اُٹھنے پلٹنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ اس سوال کا اصل

حاشیہ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اس کے سوا اور بہت سے مشکل سوالات ہیں جو سوائے دقیق
دلایل عقلیہ کے رفع نہیں ہوسکتے - اب تیرے نزدیک دلیل عقلی پر تو
وثوق نہیں ہوسکتا - اور معجزہ سے صداقت اُس وقت تک معلوم نہیں
ہوسکتی جب تک سحر کی حقیقت اور سحر اور معجزہ کے درمیان فرق معلوم
نہ ہو - اور نیز جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو گمراہ
نہیں کرتا - اور یہ مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو گمراہ کرتا ہے یا نہیں اور
اُس کے جواب کا اشکال مشہور ہے - پس ان تمام اعتراضات کا دفعیہ
کس طرح ہو سکتا ہے ؟ اور تیرے امام کی پیروی اُس کے مخالف کی
پیروی پر مقدم نہیں ہے - انجام کار وہ ان دلایل عقلی کو بیان کرنے
لگے گا جن سے وہ انکار کرتا تھا اور اُس کا مخالف بھی ویسا ہی
بلکہ اُس سے واضح تر دلایل بیان کرے گا - اس سوال سے اُن میں
ایسا انقلاب عظیم واقع ہوا ہے - کہ اگر اُن کے سب اگلے اور پچھلے
اس کا جواب لکھنا چاہیں تو نہیں لکھ سکیں گے - اور حقیقت میں یہ
خرابی اُن ضعیف العقل لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوئی جنھوں نے اہل تعلیم
کے ساتھ مباحثہ کیا - اور بجائے اس کے کہ اعتراض کو خود اُنپر اُلٹکر
ڈالیں وہ جواب دینے میں مشغول ہوگئے لیکن یہ طریق ایسا ہے - کہ
اُس کلام میں طول ہو جاتا ہے - اور وہ زود تر سمجھ میں نہیں آسکتا
یہ طریق مناظرہ خصم کے ساکت کرنے کے لئے مناسب نہیں ہوتا +
اب اگر معترض یہ کہے کہ یہ تو معترض پر اعتراض کا اُلٹ دینا ہوا

مگر کیا کوئی اُس سوال کا جواب تحقیقی بھی ہے ؟ تو ہم کہیں گے۔ کہ ہاں
اُسکا یہ جواب ہے۔ کہ اگر شخص متحیر مذکور نے صرف یہ کہا کہ میں متحیر ہوں
اور کوئی مسئلہ معین نہیں کیا کہ فلاں مسئلہ میں متحیر ہے۔ تو اُسکو یہ کہا جائیگا
کہ تو اُس مریض کی مانند ہے۔ جو کہے کہ میں بیمار ہوں لیکن اپنا اصل
مرض نہ بتلائے اور علاج طلب کرے۔ پس اُسکو یہ کہا جائیگا کہ دنیا میں مرض
مطلق کا کوئی علاج نہیں ہے۔ لیکن امراض معین مثلاً درد سر و اسہال وغیرہ
کے علاج تو ہیں۔ سو متحیر کو یہ معین کرنا چاہئے کہ وہ کس امر میں متحیر ہے
جب وہ کوئی مسئلہ معین کرے۔ تو ہم اُسکو امر حق اُن موازین خمسہ کے ذریعہ
سے وزن کرکر سمجھاویں گے جنکو سمجھکر ہر ایک شخص کو چار و ناچار اعتراف
کرنا پڑتا ہے کہ بیشک یہ وہ سچی میزان ہے۔ کہ اُسکے ذریعہ سے جو شے
وزن کیجائے وہ قابل وثوق ہے۔ پس وہ میزان کو سمجھ لیگا اور اُسکے
ذریعہ سے ہی وزن کا صحیح ہونا بھی سمجھ لیگا۔ جس طرح حساب سیکھنے والا
طالبعلم نفس حساب کو سمجھ لیتا ہے اور نیز اس بات کو کہ معلم حساب خود
حساب جانتا ہے اور اُس علم میں سچا ہے۔ ہم نے تیرے لئے اس امر کی
تشریح کتاب قسطاس میں بیس اوراق میں کی ہے۔ پس اُس کتاب کو غور
سے پڑھنا چاہئے۔ فی الحال یہ مقصود نہیں کہ اہل تعلیم کے مذہب کی خرابی
بیان کیجائے۔ کیونکہ یہ امر:۔

امام صاحب کی تصانیف در تردید مذہب اہل تعلیم

اولاً۔ ہم اپنی کتاب **المستظہری** میں بیان کرچکے ہیں +
ثانیاً۔ کتاب **حجۃ الحق** میں۔ یہ کتاب اہل تعلیم کے ان اعتراضات کا

ہوئے اور کہا ۔ کہ اُسکے پاس سفر کرکے جانا ضرور ہے ۔ تعجب یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی تمام عُمریں طلب علم میں اور اس اُمید میں کہ اُسکے ذریعہ سے فتح پاکر کامیاب ہوں گے برباد کیں ۔ اور مطلق کوئی شے اس سے حاصل نہ کی ۔ اُن کی مثال اُس شخص کی ہے جو نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو اور پانی کی تلاش میں تگ و دَو کرتا ہو ۔ اور آخر اُس کو پانی ملجائے ۔ اور اُسکو وہ استعمال نہ کرے اور بدستور آلودہ نجاست رہے +

بعض لوگوں نے اُن کے کچھ علم کا دعویٰ کیا ہے ۔ اور جو کچھ اُنھوں نے بیان کیا وہ بعض ضعیف اقوال منجملہ فلسفہ **فیثاغورث**[1] تھے ۔ یہ شخص متقدمین حکماء میں سے ہے اور اُسکا مذہب ۔ یہ مذاہب

[1] یہ پہلا حکیم ہے جس نے اپنے تئیں لفظ فیلسوف ۔ سے نامزد کیا ۔ یہ حکیم اسبات کا قائل تھا کہ آفتاب مرکز عالم ہے ۔ اور کرہ زمین بطور سیارہ اُسکے گرد گردش کرتا ہے ۔ اور اُسکی اس تحقیق سے علماء اہل اسلام کو بھی خبر تھی ۔ یہ حکیم تناسخ کا بھی قایل تھا ۔ کہتے ہیں کہ اُس نے ایک مرتبہ دیکھا کہ کوئی شخص ایک کُتّے کو مار رہا ہے ۔ اور کُتا چلاتا ہے ۔ فیثاغورث نے اُسکو مارنے سے منع کیا اور کہا کہ میں اس کو پہچانتا ہوں ۔ یہ میرا ایک دوست ہے جس کی رُوح اب کُتّے کے جسم میں آگئی ہے +

ایسے ایسے نامی حُکماء کا معاد کے باب میں ایسے بیہودہ عقاید رکھنا صاف دلیل ہے اِسبات کی کہ علوم حکمیہ اور صداقتہائے مذہبی کا منبع ایک نہیں ہے ۔ ورنہ ایسے عقلاء معاملہ معاد میں اس قدر ٹھوکریں نہ کھاتے ۔ منکرین الہام کو ایسے لوگوں کے حالات سے عبرت اختیار کرنی چاہئے + (مُترجم)

[illegible]

[illegible]

ایمان کے یہ تینوں اصول صرف کسی دلیل خاص سے میرے دل میں راسخ نہیں ہوئے تھے - بلکہ ایسے اسباب اور قراین اور تجربوں سے راسخ ہوئے تھے - جن کی تفصیل احاطہ حصر میں نہیں آسکتی - مجھ کو یہ ظاہر ہوگیا کہ بجز تقویٰ اور نفس کشی کے سعادت اُخروی کی اُمید نہیں کی جا سکتی - اور اس کے لئے سب سے بڑی بات ہے اس دارِ غرور سے کنارہ کرکے اور جس گھر میں ہمیشہ رہنا ہے اُس کی طرف دل لگاکے دنیاوی علائق کو دل سے قطع کرنا - اور تمام تر ہمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ کرنا - اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی جب تک جاہ و مال سے کنارہ اور ہر ایک شغل اور علاقہ سے گریز نہ کیجائے - پھر میں نے اپنے احوال پر نظر کی - تو میں نے دیکھا کہ میں سراسر تعلقات میں ڈوبا ہوا ہوں - اور اُنھوں نے مجھ کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے - میں نے اپنے اعمال پر نظر کی - جن میں سب سے اچھا عمل تعلیم و تدریس تھا - لیکن اُس میں بھی میں نے دیکھا - کہ میں ایسے علوم کی طرف متوجہ ہوں جو کچھ وقعت نہیں رکھتے اور طریقہ آخرت میں کچھ نفع نہیں دے سکتے - پھر میں نے اپنی نیت تدریس پر غور کی تو مجھ کو معلوم ہوا کہ میری نیت خالصاً للہ نہیں ہے - بلکہ اُس کا سبب و باعث طلب جاہ و شہرت و ناموری ہے - مجھے یقین ہوا کہ میں خطرناک گرنے والے کنارہ پر کھڑا ہوں اور اگر میں تلافی احوال میں مشغول نہ ہوا تو ضرور کنارۂ دوزخ پر آ لگا ہوں - غرض مدت میں اس بات میں فکر کیا کرتا تھا+

امام صاحب سعادت آخرت کے لیے دنیا سے قطع تعلق کرنا ضروری سمجھتے ہیں+

ہے میری فریاد بھی سُنی - اور اُس نے جاہ و مال اور بیوی اور بچے اور
دوستوں سے دل ہٹانا آسان کردیا - میں اپنے دل میں سفر شام کا
عزم رکھتا تھا - لیکن بایں خوف کہ مبادا کہیں خلیفہ اور تمام دوست
اس بات سے واقف نہ ہوجائیں - کہ میرا ارادہ شام
میں قیام کرنے کا ہے - میں نے لوگوں میں مکہ
کی طرف جانے کا ارادہ مشہور کیا - یہ ارادہ کرکے کہ میں بغداد میں کبھی
واپس نہ آؤں گا - وہاں سے بلطایف الحیل نکلا اور تمام آئمہ اہل عراق
کا ہدف تیر ملامت بنا - کیونکہ اُن میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اس بات
کو ممکن سمجھتا - کہ جس منصب پر اُس وقت میں ممتاز تھا اُس کے چھوڑنے
کا کوئی سبب دینی ہے - بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ سب سے اعلے
منصب دین یہی ہے کہ اُن کا مبلغ علم اسی قدر تھا - چنانچہ لوگ طرح
طرح کے نتیجہ نکالنے لگے - جو لوگ عراق سے فاصلہ پر رہتے تھے
اُنھوں نے یہ گمان کیا کہ میرا جانا بباعث خوف حکام ہوا ہے لیکن
جو لوگ خود حکام کے پاس رہتے تھے اُنھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا
تھا کہ وہ حکّام کس قدر اصرار کے ساتھ میرے ہمراہ تعلق رکھتے تھے
اور میں اُن سے ناخوش تھا اور اُن سے کنارہ کش رہتا تھا - اور
اُن لوگوں کی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا - یہ سوچکر لوگ آخر
یہ کہتے تھے کہ یہ ایک امر سماوی ہے اور اس کا سبب سوائے اسکے
نہیں کہ اہل اسلام وخصوصاً زمرۂ علما کو نظر بد لگی ہے - غرض میں بغداد

امام صاحب کا سفر مکہ کے بہانہ سے بغداد سے نکلنا

کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اُن کی آوازیں سُنتے ہیں اور اُن سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ پر اُن کی حالت مشاہدہ صور و امثال سے گذر کر ایسے درجات پر پہونچ جاتی ہے جن کے بیان کرنے کی گویائی کو طاقت نہیں ہے۔ اور ممکن نہیں کہ کوئی تعبیر کرنے والا اُن درجات کی تعبیر کرے۔ اور اُس کے الفاظ میں ایسی خطا صریح نہ ہو جس سے احتراز ممکن نہیں۔ غرضکہ اس قدر قرب تک نوبت پہونچتی ہے کہ حلول و اتحاد و وصول کا شک ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ یہ سب باتیں غلط ہیں اور ہمنے کتاب مقصد الاقصیٰ میں اِن خیالات کی غلطی کی وجہ بیان کی ہے۔ لیکن جس کو اس حالت کا شبہ ہوجائے تو اُس کے لئے بجز اس شعر کے اور کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ شعر۔ کانَ مَا کَانَ مِمّا لَسْتُ اذکرہٗ۔ فظن خیراً ولا تسئل عن الخبر۔

غرضکہ جس شخص کو بذریعہ ذوق کچھ حاصل نہ ہو اُس کو حقیقت نبوت سے بجز نام کے اَور کچھ معلوم نہیں ہے۔ اور حقیقت میں کرامات اولیاء انبیاء کے لئے بمنزلہ امور ابتدائی ہیں

حقیقت نبوت ذوق سے معلوم ہوتی ہے

چنانچہ آغاز حال رسول خدا صلعم کا بھی اسی طرح ہوا۔ آپ جبل حرا کیطرف جاتے اور اپنے خدا کے ساتھ خلوت اور اُس کی عبادت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اہل عرب کہنے لگے کہ محمدؐ اپنے خدا پر عاشق ہوگیا ہے۔ اس حالت کو سالکان طریقت بذریعہ ذوق کے معلوم کرتے ہیں۔ لیکن جس شخص کو یہ ذوق نصیب نہ ہو اُس کو چاہئے کہ اگر اس کو سالکان طریقت کے ساتھ زیادہ تر صحبت کا اتفاق ہو تو بذریعہ تجربہ و استماع

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کے رنگوں اور شکلوں کا علم نہ ہوتا اور اُس کے روبرو اوّل ہی مرتبہ اِن امور کا ذکر کیا جاتا تو وہ اُن کو ہرگز نہ سمجھتا اور اُن کا اقرار نہ کرتا - مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کے لئے یہ بات قریب الفہم کردی ہے کہ اُن کو خاصیت نبوت کا ایک نمونہ عطا فرمایا ہے - جو خواب ہے - کیونکہ سونیوالا آیندہ ہونے والی بات کو یا تو صریحاً معلوم کرلیتا ہے یا بصورت تمثیل جس کا انکشاف بعد ازاں بذریعہ تعبیر کے ہوجاتا ہے - اس بات کا اگر انسان کو خود تجربہ نہ ہوا ہوتا اور اُس کو یہ کہا جاتا کہ بعض انسان مردہ کی مانند بے ہوش ہوجاتے ہیں اور اُس کی قوت حس و شنوائی و بینائی زایل ہوجاتی ہے - پھر وہ غیب کا ادراک کرنے لگتے ہیں تو انسان ضرور اس بات کا انکار کرتا اور اُس کے محال ہونے پر دلیل قائم کرتا ہے اور یہ کہتا کہ قوی حسّی ہی اسباب ادراک ہیں پس جس شخص کو خود اِن اسباب کی موجودگی و احضار کی حالت میں ایسی اشیا کا ادراک نہیں ہوسکتا تو یہ بات زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہے - کہ اُن قویٰ کے معطل ہونے کی حالت میں تو ہرگز ہی ادراک نہ ہو - مگر یہ ایک قسم کا قیاس ہے جس کی تردید وجود اور مشاہدہ سے ہوتی ہے - جس طرح عقل ایک حالت منجملہ حالتہائے انسانی ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے کہ اُس کے ذریعہ سے انواع معقولات نظر آنے لگتے ہیں - جن کی ادراک سے حواس بالکل بیکار ہیں - اسی طرح نبوت سے مراد ایک ایسی حالت ہے جس سے ایسی نظر نورانی حاصل ہوجاتی ہے - کہ

خواب خاصیت نبوت کا نمونہ ہے

اُس کے ذریعہ سے امور غیب اور وہ امور جن کو عقل ادراک نہیں کرسکتی ظاہر ہونے لگتے ہیں ◆

منکرین نبوت کے شبہات کا جواب

نبوت میں شک یا تو اُس کے امکان کی بابت پیدا ہوتا ہے - یا اُس کے وجود وقوع کی نسبت یا اس امر کی نسبت کہ نبوت کسی شخص خاص کو حاصل ہے یا نہیں۔ اُس کے امکان کی دلیل تو یہ ہے کہ وہ موجود ہے - اور اُس کے وجود کی دلیل یہ ہے کہ عالم میں ایسے معارف موجود ہیں جن کا عقل کے ذریعہ سے حاصل ہونا ناممکن ہے - مثلاً علم طب و علم نجوم - جو شخص ان علوم پر بحث کرتا

نبوت کا ثبوت اس عام اصول پر کہ الہام ایک ملکہ ہے جس کا تعلق کل علوم سے ہے

ہے - وہ بالضرور یہ جانتا ہے کہ یہ علوم[1] الہام الٰہی اور توفیق منجانب اللہ کے سوا معلوم نہیں ہو سکتے اور تجربہ سے ان علوم کے حاصل کرنے کا کوئی راہ نظر نہیں آتا - بعض احکام علم نجوم ایسے ہیں جن کا وقوع ہزار برس میں صرف ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے - سو ایسے احکام تجربہ سے کیونکر حاصل ہوسکتے ہیں؟ اسی طرح پر خواص ادویہ کا حال ہے - اس دلیل سے ظاہر ہے کہ جن امور کا ادراک عقل سے نہیں ہو سکتا اُن کے ادراک کا ایک اور طریق موجود ہونا ممکن ہے - اور نبوت کے یہی معنے ہیں - کیونکہ نبوت سے فقط ایسا ہی طریق ادراک مراد ہے - بلکہ اس قسم کا ادراک جو مدرکات

حاشیہ

[1] امام صاحب نے حقیقت نبوت کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اُن صحیح واقعات پر مبنی ہے جو تحقیق حالات نفس انسانی سے دریافت ہوئے ہیں۔ اگرچہ دنیا نے

عقل سے خارج ہے ایک خاصیت منجملہ خواص نبوّت ہے اور اسکے

بقیہ حاشیہ

علم کی ہر شاخ میں بے انتہا ترقی کر لی ہے - لیکن یہ ترقی محسوسات میں محدود ہے - نفس ذہن کے متعلق بوجہ اُن بے شمار مشکلات کے جو اُس کے تحقیق کے راہ میں حایل ہیں - یا اس وجہ سے کہ دنیا کا عام میلان اُن علوم کی جانب ہے جو اس زندگی میں کارآمد ہیں بہت کم تحقیقات کی گئی ہے اور جن لوگوں نے کچھ تحقیقات کی ہے اُن کی رایوں اور اُن نتایج میں جن پر وہ اپنے خاص طریق سے پہونچے ہیں اس قدر اختلافات ہیں کہ اُن سے اطمینان حاصل ہونا مشکل ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ مابعد الطبیعات میں جو کچھ حکمار متقدمین لکھ گئے ہیں اُس سے زیادہ ترقی نہیں ہوئی +

نفس انسانی کے بہت سے حالات اور واقعات ایسے ہیں جن کا وجود ہر زمانہ میں تسلیم کیا گیا ہے مگر اُن کے علل و اسباب دریافت نہیں ہوئے - نبوّت بھی اس قسم کے حالات میں جن کو ہم مختصراً عجائبات قلبی سے تعبیر کرتے ہیں شامل ہے - جن لوگوں نے قوانین قدرت کے غیر متغیر ہونے کے مسئلہ پر زیادہ غور کی ہے اور جو اُن تمام واقعات کو جن کا وقوع بظاہر خلاف عادت سمجھا جاتا ہے بذریعہ اصلی علل و اسباب دریافت کرنے کے قوانین قدرت کے تحت میں لانا چاہتے ہیں - اُنھوں نے عجائبات قلبی کی بھی بہت کچھ تفتیش و تحقیق کی ہے - اور اُن کی تحقیقات سے جو نتایج حاصل ہوئے ہیں اُن سے اس خیال کی طرف میلان پایا جاتا ہے کہ درحقیقت اُن کیفیات قلبی میں کوئی اعجوبہ پن نہیں ہے اور وہ سب کیفیات اُسی سلسلہ نظام دنیا کا جزو ہیں جو مضبوط قوانین سے جکڑا ہوا ہے اس قسم کی تحقیقاتوں سے اُن محققین کے نزدیک جو نبوت کو ایک امر فطری قرار

بقیہ حاشیہ

سوا نبوت کے اور بہت سے خواص ہیں - جو ہم نے بیان کیا ہے وہ بحر

دیتے ہیں - مسئلہ وحی و الہام کی نسبت کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ نبوت کو فطری کہنا ہی اُس کو قوانین قدرت کے تحت میں لاتا ہے *

امام صاحب نے جو کچھ حقیقت نبوت کی نسبت تحقیق کی ہے اُس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فخرالاسلام سید صاحب کی طرح نبوت کو امر فطری سمجھتے تھے - یعنے وہ عام علماء کی طرح نبوّت کو ایک ایسا منصب نہیں سمجھتے کہ جس شخص کو خدا منتخب کرکے چاہے دیدے - بلکہ اُس کو وہ ایک حالت منجملہ فطری حالات قلب انسانی سمجھتے تھے جو مثل دیگر قوائے انسانی بمناسبت اعضا کے قوی ہوتا جاتا ہے - جس طرح دیگر اطوار انسانی بمقتضائے فطرت اپنے وقت خاص پر پہونچکر ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح جس شخص میں ملکۂ نبوت ہوتا ہے وہ بھی اپنی کمال قوت پر پہونچکر ظاہر ہوتا ہے - پھر جس طرح سید صاحب نے اس اصول الہام کو صرف نبوّت پر ہی موقوف نہیں رکھا بلکہ دیگر ملکات انسانی تک اُس کو وسعت دی ہے اسی طرح امام صاحب نے اس کو علم ہیئت و علم طب سے بھی اُس کا تعلق ہونا ظاہر کیا ہے - چنانچہ امام صاحب لکھتے ہیں (صفحہ ۱۲۰) کہ جو شخص ان علوم پر بحث کرتا ہے وہ بالضرور یہ جانتا ہے کہ یہ علوم الہام الٰہی اور توفیق منجانب اللہ کے سوا معلوم نہیں ہو سکتے

امام صاحب اپنے زمانہ کے علوم کے جید عالم اور دارالعلوم بغداد کے مدرس اعلےٰ تھے - یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اس قول سے اُن کی یہ مراد ہے کہ ان علوم کے جملہ مسائل جزئیہ بذریعہ الہام منکشف ہوئے ہیں - کون نہیں جانتا کہ ادویہ وغیرہ کے خواص انسان تجربہ سے دریافت کرتا ہے - امام صاحب کا منشا بجز اس کے اَور کچھ نہیں ہوسکتا کہ گروہ انسان میں سے بعض خاص اشخاص کا ان علوم کے اصول کیطرف ابتداً خود بخود متوجہ ہونا بسبب اُس خاص ملکہ کے تھا جو خدا تعالیٰ نے اُنہیں بالتخصیص پیدا کیا تھا (مترجم)

اس بات کا یقین حاصل ہونے کے لئے سوائے اس کے اور کیا
سبیل ہوسکتی ہے کہ بذریعہ مشاہدہ یا بذریعہ تواتر و روایت اُس شخص
کے حالات دریافت کئے جائیں ۔ کیونکہ جب تو علم طب اور علم فقہ کی
معرفت حاصل کرچکا تو اب تو فقہاء و اطباء کے حالات مشاہدہ کرکر اور
اُن کے اقوال سن کر اُن کی معرفت حاصل کرسکتا ہے ۔ گو تونے اُن کا
مشاہدہ نہیں کیا ہے اور تو اس بات سے بھی عاجز نہیں ہے کہ شافعی
کے فقیہہ ہونے اور جالینوس کے طبیب ہونے کی معرفت حقیقی نہ کہ معرفت
تقلیدی اس طرح حاصل کرے کہ کچھ علم فقہ و طب سیکھے ۔ اور اُن کی کتابوں
اور تصانیف کو مطالعہ کرے ۔ پس تم کو اُن کے حالات کا علم یقینی
حاصل ہوجائیگا ۔ اس طرح پر جب تونے معنے نبوت سمجھ لیئے تو تجھکو چاہئے
کہ قرآن مجید اور احادیث میں اکثر غور کیا کرے کہ تجھ کو آنحضرت صلعم
کی نسبت یہ علم یقینی حاصل ہوجائیگا ۔ کہ آپ اعلےٰ درجۂ نبوت رکھتے تھے
اور اس کی تائید اُن امور کے تجربہ سے کرنی چاہئے جو آپ نے در باب
عبادات بیان فرمائے ۔ و نیز دیکھنا چاہئے کہ تصفیہ قلوب میں اُسکی تاثیر
کس درجہ تک ہے ۔ آپ نے کیسا صحیح فرمایا کہ جس شخص نے اپنے علم
پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اُس کو اُس چیز کا علم بخشتا ہے ۔ جس چیز کا
علم اُس کو حاصل نہیں تھا ۔ اور کیسا صحیح فرمایا کہ جس شخص نے ظالم کی
مدد کی تو اللہ تعالیٰ اُس پر اُس ظالم کو ہی مسلط کرتا ہے ۔ اور کیسا صحیح
فرمایا کہ جو شخص صبح کو اس حال میں بیدار ہو کہ اُسکو صرف ایک خدائے واحد

کی لو لگی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کے تمام غموں سے اُسکو محفوظ کرتا ہے - جب تم کو ان امور کا ہزار یا دو ہزار یا کئی ہزار مثالوں میں تجربہ ہوگیا تو تم کو ایسا علم یقینی حاصل ہوجائیگا کہ اُس میں ذرا بھی شک نہیں ہوگا - پس نبوّت پر یقین کرنیکا یہ طریق ہے[1] - نہ یہ کہ لاٹھی کا سانپ بن گیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے - کیونکہ جب تو صرف اس بات کو دیکھے گا - اور

بعض معجزات ثبوت نبوت کے لئے کافی نہیں ٭

[1] فخرالاسلام سیدصاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے - جس پر اس زمانہ کے سفہائ ہنستے ہیں - چنانچہ سید صاحب تفسیرالقرآن جلد ثالث میں فرماتے ہیں - اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء پر ایمان لانا بسبب ظہور معجزات باہرہ کے ہوتا ہے - مگر یہ خیال محض غلط ہے - انبیاء علیہم السلام پر یا کسی ہادی بال پر ایمان لانا بھی انسانی فطرت میں داخل اور قانون قدرت کے تابع ہے - بعض انسان از روئے فطرت کے ایسے سلیم الطبع پیدا ہوتے ہیں - کہ سیدھی اور سچّی بات اُن کے دل میں بیٹھ جاتی ہے اور وہ اس پر یقین کرنے کے لئے دلیل کے محتاج نہیں ہوتے - باوجودیکہ وہ اُس سے مانوس نہیں ہوتے مگر ان کا وجدان صحیح اُس کے سچ ہونے پر گواہی دیتا ہے - اُن کے دل میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے - جو اس بات کے سچ ہونے پر اُن کو یقین دلاتی ہے - یہی لوگ ہیں جو انبیاء صادقین پر صرف اُن کا وعظ و نصیحت سن کر ایمان لاتے ہیں نہ معجزوں اور کرامتوں پر - اسی فطرت انسانی کا نام شارع نے ہدایت رکھا ہے - مگر جو لوگ معجزوں کے طلبگار ہوتے ہیں وہ کبھی ایمان نہیں لاتے اور نہ معجزوں کے دکھانے سے کوئی ایمان لاسکتا ہے - خود خدا نے

ذوق۔ وہ ایسا ہے کہ ایک شے آنکھ سے دیکھ لی جائے اور ہاتھ سے پکڑ لی جائے۔ سو یہ بات سوائے طریق تصوف کے اور کہیں پائی نہیں جاتی +

پس اسقدر بیان حقیقت نبوت فی الحال ہماری غرض موجودہ کے لئے کافی ہے۔ اب ہم اس بات کی وجہ بیان کریں گے کہ خلقت کو اُس کی حاجت ہے +

سبب اشاعت علم بعد از اعراض

جب مجھ کو عزلت و خلوت پر مواظبت کرتے قریب دس سال گذر گئے تو اس اثنا میں ایسے اسباب سے جن کا میں شمار نہیں کرسکتا مثلاً کبھی بذریعہ ذوق کے اور کبھی بذریعہ علم استدلالی کے اور کبھی بذریعہ قبول ایمانی کے مجھ کو بالضرور یہ معلوم ہوا کہ انسان دو چیز سے بنایا گیا ہے یعنے جسم اور قلب سے۔ اور قلب سے مراد حقیقت روح انسان ہے۔ جو محل معرفت خدا ہے۔ نہ وہ گوشت و خون جس میں مُردے اور چارپائے بھی شریک ہیں اور یہ وہ چیز ہے جس کے لئے جسم بمنزلہ آلہ کے ہے۔ جسم کی صحت باعث سعادت جسم ہے اور اُس کا مرض باعث ہلاکت جسم۔ اسی طرح قلب کے لئے بھی صحت و سلامت ہوتی ہے۔ کوئی شخص اُس سے نجات نہیں پاتا بجز اُس کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم لیکر حاضر ہو۔

ارکان و حدود شرعی کی حقیقت +

علی ہذالقیاس قلب کے لئے مرض بھی ہوتا ہے اور اُس میں ہلاکت
ابدی و اخروی ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُن کے دلوں میں
مرض ہے۔ اللہ کو نہ جاننا زہر مہلک ہے۔ اور خواہشات نفسانی کی پیروی
کرکے اللہ کا گنہگار ہونا اُس کا سخت مرض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت
اُس کے لئے تریاق زندگی بخش ہے۔ اور خواہشات نفسانی کی مخالفت کرکے
اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اس کی دوائے شافی ہے۔ جس طرح معالجہ بدن
کا بجز استعمال دوا کے اَور کوئی طریق نہیں ہے اسی طرح پر امراض قلبی
کا معالجہ بغرض ازالۂ مرض و حصول صحت بھی بجز استعمال ادویہ کے کسی
اَور طرح پر نہیں ہوسکتا۔ اور جس طرح حصول صحت میں ادویہ امراض
بدن بذریعہ ایسی خاصیت کے موثر ہوتی ہیں جس کو عقلاً اپنی بضاعت
عقل سے سمجھ نہیں سکتے بلکہ اُس میں اُن کو اُن اطباء کی تقلید واجب
ہوتی ہے جنھوں نے اُس خاصیت کو انبیاء علیہ السلام سے جو اپنی خاصیت
نبوت کی وجہ سے خواص اشیاء پر مطلع تھے حاصل کیا ہے۔ پس اسی طرح
مجھ کو یقیناً یہ ظاہر ہوا۔ کہ ادویہ عبادات بحدود و مقادیر مقررہ و مقدرہ
انبیاء کی وجہ تاثیر بھی عقلاً کے بضاعت عقل سے معلوم نہیں ہوسکتی
بلکہ اُس میں انبیاء کی تقلید واجب ہے جنھوں نے ان خواص کو نور نبوت
سے معلوم کیا ہے نہ بضاعت عقل سے۔ نیز جس طرح پر ادویہ نوع اور
مقدار سے مرکب ہیں کہ ایک دوا دوسری دوا سے وزن و مقدار میں
مضاعف استعمال کیجاتی ہے اور اُن کا اختلاف مقادیر خالی از حکمت

نہیں۔اور یہ حکمت من قبیل خواص ہوتی ہے۔پس اسی طرح عبادات بھی جو ادویہ امراض قلوب ہیں افعال مختلف النوع والمقدار سے مرکب ہیں۔مثلاً سجدہ رکوع سے دو چند ہے۔اور نماز فجر مقدار میں نماز عصر سے نصف ہے۔پس یہ مقادیر خالی از اسرار نہیں۔اور یہ اسرار من قبیل اُن خواص کے ہیں جن پر بجز نور نبوت کے اَور کسی طرح اطلاع نہیں ہو سکتی۔ پس نہایت احمق اور جاہل ہے وہ شخص جس نے یہ ارادہ کیا کہ طریق عقل سے اِن امور کی حکمت کا استنباط کرے۔یا جس نے یہ سمجھا کہ یہ امور محض اتفاقیہ طور سے مذکور ہوئے ہیں۔اور اُس میں کوئی ایسا سر نہیں ہے جو بطریق خاصیت موجب حکم ہوا ہو۔نیز جس طرح پر ادویہ میں کچھ اصول ہوتے ہیں جو ادویہ مذکور کے رُکن کہلاتے ہیں اور کچھ زوائد جو متممات ادویہ ہوتے ہیں جنمیں سے ہرایک بوجہ اپنی تاثیر خاص کے ممدّ عمل اصول ہوتا ہے۔اسی طرح نوافل و سنن آثار ارکان عبادت کے لئے باعث تکمیل ہیں۔غرضکہ انبیاء امراض قلوب کے طبیب ہیں۔اور فائدہ عقل کا اور اُس کے تصرف کا یہ ہے کہ اُس کے ذریعہ سے ہی ہم کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے۔اور وہ نبوّت کی تصدیق کرتی ہے اور اپنے تئیں اُس چیز کے ادراک سے جس کو نور نبوّت سے دیکھ سکتے ہیں عاجز ظاہر کرتی ہے۔اور اس عقل نے ہمارا ہاتھ پکڑکر ہم کو اس طرح حوالۂ نبوّت کردیا ہے جس طرح اندھوں کو راہبر اور متحیّر مریضوں کو طبیب شفیق کے سپرد کیا جاتا ہے۔پس عقل کی رسائی و پرواز صرف یہانتک

ہے اور اس سے آگے معزول ہے۔ بجز اس کے کہ جو کچھ طبیب سمجھائے اُس کو سمجھ لے۔ یہ وہ امور ہیں جو ہم نے زمانہ خلوت و عزلت میں ایسے یقینی طور پر معلوم کئے ہیں جو مشاہدہ کے برابر ہیں +

اسباب فتور اعتقاد

پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں کا فتور اعتقاد کچھ تو در باب اصل نبوّت ہے اور کچھ اُس کی حقیقت سمجھنے میں اور کچھ اُن باتوں پر عمل کرنے میں جو نبوّت نے کھولی ہیں۔ میں نے تحقیق کیا کہ یہ باتیں لوگوں میں کیوں پھیل گئیں۔ تو لوگوں کے فتور اعتقاد و ضعف ایمان کے چار سبب پائے گئے +

سبب اوّل۔ اُن لوگوں کی طرف سے جو علم فلسفہ میں غور کرتے ہیں +

سبب دوئم۔ اُن لوگوں کی طرف سے جو علم تصوّف میں ڈوبے ہوئے ہیں +

سبب سوئم۔ اُن لوگوں کی طرف سے جو دعوئے تعلّم کی طرف منسوب ہیں۔ یعنے بزعم خود چھپے ہوئے امام مہدی سے علم سیکھنے کا دعویٰ رکھتے ہیں +

سبب چہارم۔ اُس معاملہ کی طرف سے جو بعض اشخاص اہل علم کہلاکر لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں +

بعض متشککین کے اوہام

میں مدت تک ایک ایک شخص سے جو متابعت شرع میں کوتاہی کرتے تھے ملا کرتا اور اُس کے شبہ کی نسبت سوال۔ اور اُس کے عقیدہ اور اسرار سے بحث کیا کرتا تھا۔ اور اُس کو کہتا تھا کہ

تو متابعت شرع میں کیوں کوتاہی کرتا ہے۔ کیونکہ اگر تو آخرت پر یقین رکھتا
ہے اور پھر باوجود اس یقین کے آخرت کی تیاری نہیں کرتا اور دنیا کے
بدلے آخرت کو بیچتا ہے تو یہ حماقت ہے کیونکہ تو کبھی دو کو ایک کے بدلے
نہیں بیچتا پھر کس طرح تو اُس لا انتہا زندگی کو اس چند روزہ زندگی کے
بدلے بیچتا ہے؟ اور اگر تو روز آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتا تو تُو کافر
ہے پس تجھ کو طلب ایمان میں اپنا نفس درست کرنا چاہیئے۔ اور یہ دیکھنا
چاہیئے کہ کیا سبب ہے تیرے اُس کفر مخفی کا جس کو تو نے باطناً اپنا مذہب
ٹھیرایا ہے اور جس سے ظاہرا یہ جرأت پیدا ہوئی ہے۔ گو تو ان امور کی
تصریح نہیں کرتا۔ کیونکہ ظاہر میں ایمان کا تجمل اور ذکر شرع کی عزت
رکھتا ہے پس کوئی تو جواب میں یہ کہتا ہے کہ اگر تعلیمات نبویہ پر محافظت
ضروری ہوتی تو علما اس محافظت کے زیادہ تر لائق تھے۔ حالانکہ فلاں
عالم کا یہ حال ہے کہ مشہور فاضل ہوکر نماز نہیں پڑھتا۔ اور فلاں
عالم شراب پیتا ہے اور فلاں عالم وقف اور یتیموں کا مال ہضم کرتا
ہے۔ اور فلاں عالم وظیفہ سلطانی کھاتا ہے اور حرام سے احتراز نہیں کرتا
اور فلاں عالم شہادت دینے اور حکم متعلق عہدہ قضا کے صادر کرنے کے
معاوضہ میں رشوت لیتا ہے اور علےٰ ہٰذالقیاس ایسا ہی اور لوگوں کا
حال ہے *

اسی طرح پر ایک دوسرا شخص علم تصوّف کا مدعی ہے اور یہ دعویٰ

* یہ اعلیٰ تھے تو علماء کے جو امام غزالیؒ جیسے مقدس شخص کی تکفیر کرتے تھے *

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تقلید سے نہیں کرتا - بلکہ میں علم فلسفہ پڑھا ہوا ہوں - اور حقیقت نبوت کو خوب پہچان چکا ہوں - اُس کا خلاصہ یہی حکمت و مصلحت ہے - اور نبوت کے وعید سے مقصد یہ ہے - کہ عوام الناس کے لئے ضابطہ بنایا جاوے اور اُن کو باہم لڑنے جھگڑنے اور شہوات نفسانی میں چھوٹے رہنے سے روکا جاوے اور میں عوام جاہل شخصوں میں سے نہیں ہوں - کہ اس تکلیف میں پڑوں - میں تو حکماء میں سے ہوں اور حکمت پر چلتا ہوں

ٹھیرایا ہے ◆

ہمارے علماء دین نے فخرالاسلام سید احمد خان کے کفر کے فتووں پر ضرور مہریں لگائیں - مگر کچھ شک نہیں کہ اس معصیت کا ارتکاب اُن سے نیک نیتی اور عین محبت اسلام سے عمل میں آیا لیکن سید کو درحقیقت رسوا کیا - ان بہائم صفت انسانوں لامذہب مسلمانوں نے اولئک کالانعام بلھم اضل جو اپنی ابلہ فریبی سے دنیا پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم سید کے پیرو ہیں - اگر بتوں کے پوجنے والے حضرت نبینا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا دعویٰ کرسکتے ہیں - تو یہ فرقہ بھی سید کا پیرو سمجھا جاسکتا ہے - اگر یہ شخص پیرو کہلائے جاسکتے ہیں تو کہلائے جاسکتے ہیں - مسٹر بریڈلاہ کے یا مسٹر انگ سول یا ڈارون کے - نہ اُس سچّے خدا پرست و عاشق رسول کے جو کہتا ہے

خدا دارم دلے بریان و عشقِ مصطفےٰ دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم
زکفرِ من چہ میخواہی ز ایمانم چہ مے پرسی
ہماں یک جلوہ دیدار است ایمانے کہ من دارم

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اللہ تعالیٰ آسانی سے نیشاپور کی طرف لیگیا - کہ وہاں اس کام کے انجام
دینے کے لئے قیام کیا جاوے اور بغداد سے ۴۸۸ھ ہجری میں نکلنا ہوا
تھا - اور گوشہ نشینی قریب گیارہ سال کے رہی - اور نیشاپور میں جانا اللہ تعالیٰ
نے تقدیر میں لکھا تھا - ورنہ جسطرح بغداد سے نکلنے اور وہاں کے حالات
سے علیحدہ ہونیکا کبھی دل میں امکان بھی نہیں گذرا تھا - اسیطرح نیشاپور
کو جانا بھی منجانب عجایب تقدیرات الٰہی تھا جسکا کبھی وہم و خیال بھی
دل میں نہیں آیا تھا - اور اللہ تعالیٰ دلوں کو اور احوال کو بدلنے والا
ہے - مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان
ہے - اور میں جانتا ہوں کہ اگرچہ میں نے اشاعت تعلیم کی طرف رجوع
کیا لیکن اصل میں یہ رجوع نہیں تھا - کیونکہ رجوع کہتے ہیں حالت
سابق کی طرف عود کرنے کو اور میں زمانہ سابق میں ایسے علم کی تعلیم دیتا
تھا جس سے دنیاوی عزت و جاہ حاصل ہو اور خود اپنے قول طریق عمل
سے لوگوں کو عزت دنیاوی کی طرف بلاتا تھا - اور اُس وقت میرا ارادہ اور
نیت بجز اس کے اَور کچھ نہیں تھا - لیکن اب میں اُس علم کی طرف
بلاتا ہوں جس کے لئے عزت و جاہ دنیاوی کو ترک کرنا پڑتا ہے اور جسکی
وجہ سے رتبہ و منزلت کا ساقط ہونا مشہور ہے - پس فی الحال میرا ارادہ
اور نیت اور آرزو بجز اس کے اَور کچھ نہیں - اللہ تعالیٰ میری نیت سے
آگاہ ہے - میری یہ خواہش ہے کہ اپنی اور نیز اَوروں کی اصلاح کروں
معلوم نہیں کہ میں اپنی مراد کو پہونچوں یا اپنے مقصد میں ناکام رہوں -

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

میں بیان کی گئی ہے +

کہ از خود پدید آمدہ بے کاتبے قادر و عالم و مرید - و کسیکہ نابینائی او بایں حد بود از راہ شقاوت نگردد + دوم بآخرت نگرویدند و پنداشتند کہ آدمی چوں نباتست کہ چوں بمیرد نیست شود - و سبب ایں جہل ہست بنفس خود کہ ابدیست و ہرگز نمیرد + سوم بخدا تعالیٰ و آخرت ایمان دارند ایمانے ضعیف ولیکن گویند کہ خدا را عزّ و جل بعبادت ما چہ حاجتست و از معصیت ما چہ رنج - ایں مدبر جاہل است بشریعت کہ مے پندارد کہ معنی شریعت آنست کہ کار برائے خدا مے باید کرد نہ برائے خود - ایں ہمچنانست کہ بیمارے پرہیز نکند و گوید کہ طبیب را ازانچہ کہ من فرمان او برم یا نبرم - ایں سخن راست ہست ولیکن او ہلاک شود + چہارم گفتند کہ شرع میفرماید کہ دل ز شہوت و خشم و ریا پاک کنید و ایں ممکن نیست کہ آدمی را ازیں آفریدہ اند - پس مشغول شدن بایں طلب محال بود - و ایں احمقان ندانستند کہ شرع ایں نفرمودہ - بلکہ فرمودہ است کہ خشم و شہوت را ادب کنید کہ حدود عقل و شریعت را نگاہ دارد - حق تعالیٰ فرمودہ است والکاظمین الغیظ ثنا گفت بر کسیکہ خشم فرو خورد نہ بر کسیکہ اورا خشم نبود + پنجم گویند کہ خدا رحیم ہست بہر صفت کہ باشیم برما رحمت کند و ندانند کہ ہم شدید العقاب است + ششم بخود مغرور شوند و گویند کہ ما بجائے رسیدہ ایم کہ معصیت مارا زیان ندارد - آخر درجہ ایں ابلہان فوق درجہ انبیا نیست و ایشان بسبب خطا میگریستندے + وجہ ہفتم از شہوت خیزد نہ از جہل و ایں اباحتیان گروہے باشند کہ شبہات گذشتہ ہیچ نشنیدہ باشند - ولیکن گروہے را بینند - کہ ایشان براہ اباحت میروند - ایشان را آن نیز خوش آید کہ در طبع بطالت و شہوت غالب بود - معاملہ با ایشان بشمشیر باشد نہ بحجت - (انتخاب از کیمیائے سعادت)

جن لوگوں نے طریق فلسفہ سے اپنا ایمان بگاڑ لیا ہے حتے کہ نبوّت کے بھی منکر ہو بیٹھے ہیں اُن کے لئے ہم حقیقت نبوت بیان کر چکے ہیں اور وجود نبوّت یقینی طور پر بدلیل وجود خواص ادویہ و نجوم وغیرہ بتا چکے ہیں۔ اور اسی واسطے ہم نے اس مقدمہ کو پہلے ذکر کردیا ہے۔ ہم نے وجود نبوّت کی دلیل خواص طب و نجوم سے اسی واسطے ذکر کی ہے۔ کہ یہ خود اُن کے علوم ہیں۔ اور ہم ہر فن کے عالم کے لئے نجوم کا ہو خواہ طب کا۔ علم طبعی کا ہو یا سحر و طلسمات کا۔ اُسی کے علم سے برہان نبوت لایا کرتے ہیں +

اب رہے وہ لوگ جو زبان سے نبوّت کے اقراری ہیں اور شریعت کو حکمت کے مطابق بنانا چاہتے ہیں۔ سو وہ درحقیقت نبوّت سے منکر ہیں۔ اور وہ ایسے حکیم پر ایمان لائے ہیں جس کے لئے ایک طالع مخصوص ہے۔ اور جو اس بات کا مقتضی ہے کہ اُس حکیم کی پیروی کیجائے۔ اور نبوت کی نسبت ایسا ایمان رکھنا ہیچ ہے۔ بلکہ ایمان نبوّت یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے کہ سوائے عقل کے ایک اَور حالت بھی ثابت ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے جسے خاص باتوں کا ادراک ہوتا ہے۔ اور عقل وہاں سے کنارہ رہتی ہے جیسے دریافت رنگ سے کان۔ اور آواز سننے سے آنکھ۔ اور امور عقلی کے ادراک سے سب خواص معزول رہتے ہیں۔ اگر وہ لوگ اس کو جائز نہ سمجھیں تو ہم اُس کے امکان بلکہ اُس کے وجود پر دلیل قائم کر چکے ہیں۔ اور

ثبوت نبوت ایک مثال سے +

اگر اُس کو جائز سمجھیں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بہت سی
ایسی اشیأ بھی ہیں جن کو خواص کہا جاتا ہے - اور جن پر عقل کو
اس قدر بھی تصرف حاصل نہیں - کہ اُن کے آس پاس ذرا بھی پھٹک
سکے - بلکہ عقل اُن امور کو جھٹلانے لگتی ہے اور اُن کے محال ہونے کا
حکم دیتی ہے مثلاً ایک دانگ افیون زہر قاتل ہے - کیونکہ وہ افراط برودت
سے خون کو عروق میں منجمد کردیتی ہے - اور جو علم طبعی کا مدعی ہوگا وہ
یہ سمجھے گا کہ مرکبات سے جو چیزیں تبرید پیدا کرتی ہیں وہ بوجہ عنصر پانی
اور مٹی کے تبرید پیدا کرتی ہیں - کیونکہ یہی دو عنصر بارد ہیں - لیکن یہ معلوم
ہے - کہ سیروں پانی اور مٹی کی اس قدر تبرید نہیں ہوسکتی - پس اگر کسی
عالم طبعی کو افیون کا زہر قاتل ہونا بتلایا جاوے اور وہ اُس کے تجربہ میں
نہ آئی ہو تو وہ اُس کو محال کہے گا - اور اُس کے محال ہونے پر یہ دلیل
قایم کریگا - کہ افیون میں ناری اور ہوائی اجزاء ہوتے ہیں - اور ہوائی اور
ناری اجزاء افیون کی برودت زیادہ نہیں کرتے اور جس حالت میں بجمیع
اجزاء پانی اور مٹی فرض کرلینے سے اُس کی ایسی مفرط تبرید ثابت نہیں
ہوتی تو اُس کے ساتھ اجزاء حارہ ہوا و آگ مل جانے سے اس حد تک
تبرید کیونکر ثابت ہوسکتی ہے - اس کو وہ شخص یقینی دلیل سمجھے گا - اور
اکثر دلایل فلسفہ در باب طبعیات و الٰہیات اسی قسم کے خیالات پر مبنی ہیں
وہ اشیأ کی وہی حقیقت سمجھتے ہیں جو عقل یا وجود میں پاتے ہیں - اور
جس کو سمجھ نہیں سکتے - یا جس کو موجود نہیں دیکھتے - اُس کو محال ٹھیرا لیتے

[illegible]

[illegible]

دو پارچہ جات آب نارسیدہ پر لکھا جاتا ہے - اور حاملہ اپنی آنکھ سے اُن تعویذوں کو دیکھتی رہتی ہے - اور اُن کو اپنے قدموں کے نیچے رکھ لیتی ہے پس بچّہ فوراً پیدا ہوجاتا ہے - اس بات کے امکان کا ان لوگوں نے اقرار کیا ہے - اور اس کا ذکر کتاب **عجایب الخواص** میں کیا ہے - تعویذ مذکورہ ایک شکل ہے جس میں نوؔ خانہ ہوتے ہیں - اور اُن میں کچھ ہندسے خاص لکھے جاتے ہیں - اس شکل کے ہر سطر کا مجموعہ پندرہ ہوتا ہے - خواہ اس کو طول میں شمار کرو یا عرض میں یا ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک - تعجب ہے اُس شخص پر جو اس بات کو تو تصدیق کرے - لیکن اُس کی عقل میں اتنی بات نہ سما سکے کہ نماز فجر کی دو رکعت اور ظہر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت مقرر ہونا بوجہ ایسے خواص کے ہے

ارکان احکام شرعی کی توضیح بذریعہ ایک تمثیل کے

جو نظر حکمت سے نہیں سوجھ سکتے - اور ان کا سبب اختلاف اوقات مذکورہ ہے - اور ان خواص کا ادراک اکثر نور نبوّت سے ہوتا ہے - تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر ہم اسی عبارت کو بدل کر عبارت منجّمین میں بیان کریں تو یہ لوگ اس امر اختلاف اوقات مذکورہ کو ضرور سمجھ لیں گے - سو ہم کہتے ہیں کہ اگر شمس وسط سماء میں ہو یا طالع میں - یا غارب میں - تو کیا ان اختلافات سے حکم طالع میں اختلاف نہیں ہوجاتا - چنانچہ اسی اختلاف مسیر شمس پر زائچوں - عمروں اور اوقات مقرّرہ کے اختلاف کی بنا رکھی گئی ہے - لیکن زوال اور شمس کے فی وسط السماء ہونے میں یا مغرب اور شمس کے فی المقارب ہونے میں کچھ

[illegible]

بوجہ علم کے کیا ہے - لیکن اے جاہل شخص اگر تونے اُس کو دیکھکر عمل ترک کیا ہے - اور تو علم سے بے بہرہ ہے تو تُو بہ سبب اپنی بداعمالیوں کے ہلاک ہوجائیگا - اور کوئی تیری شفاعت کرنے والا نہ ہوگا ✦

سوئم - علاج حقیقی - عالم حقیقی سے کبھی کوئی معصیت بجز اس کے کہ بطریق لغزش ہو ظاہر نہیں ہوتی - اور نہ وہ کبھی معاصی پر اصرار کرتا ہے کیونکہ علم حقیقی وہ شے "ہے جسّے" یہ معلوم ہوتا ہے کہ معصیت زہر مہلک ہے اور آخرت دنیا سے بہتر ہے اور جس کو یہ معلوم ہوجاتا ہے - تو وہ اچھی شے کو ادنےٰ شے کے عوض نہیں بیچتا - مگر یہ علم ان اقسام علوم سے حاصل نہیں ہوتا جس کی تحصیل میں اکثر لوگ مشغول رہتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ اس علم کا نتیجہ بجز اس کے اُور کچھ نہیں کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت پر زیادہ جُرأت ہوجاتی ہے - لیکن علم حقیقی ایسا علم ہے - کہ اُس کے پڑھنے والے میں خشیۃ اللہ و خوف خدا زیادہ بڑھتا ہے - اور یہ خوف خدا مابین اُس عالم اور معاصی کے بطور پردہ حائل ہوجاتا ہے - بجز اُن صورتہاء لغزش کے جس سے انسان بمقتضائے بشریت جدا نہیں ہوسکتا - اور یہ امر ضعف ایمان پر دلالت نہیں کرتا - کیونکہ مومن وہی شخص ہے جس کی آزمائش ہوتی ہے اور جو توبہ کرنے والا ہے - اور یہ بات گناہ پر اصرار کرنے اور ہمہ تن گناہ پر گر پڑنے سے بہت بعید ہے ✦

[illegible]	١	٧
٨	٥	٣
[illegible]	[illegible]	[illegible]

٦	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	٩	[illegible]

[illegible]

[illegible]